جون ۲۰۰۱ء

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

انتخابِ حدیث

لغات القرآن

منکرین حدیث

مفسدین کا انجام

حقائق و عبر

حقیقتوں کے کھوجی ابوحنیفہؒ

مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان-/170 روپے
غیر ممالک-/800 روپے

خط وکتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور ۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 54 — جون 2001ء — شمارہ نمبر 06

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

✵ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

✵ محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹنٹ ------------ محمد زمرد بیگ

کمپوزر ------------ شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ------------ ایاز حسین انصاری

ناظم ------------ محمد سلیم اختر

ناشر ------------ عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

◉ عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

◉ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

◉ محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور-فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
مفسدین کا انجام	غلام احمد پرویزؒ	5
لغات القرآن (رض ی)	ادارہ	12
منکرین حدیث	علامہ حافظ محمد اسلم جیراج پوری	16
قرآن اور حدیث کی صحیح پوزیشن	سید ابوالاعلیٰ مودودی	30
حقیقتوں کے کھوجی امام ابوحنیفہؒ	رحمت اللہ طارق	40
انتخاب حدیث	ڈاکٹر شبیر احمد، فلوریڈا	43
حقائق وعبر	ادارہ	56

ENGLISH SECTION

Israel Has Transgressed All Bounds
by Asif Iqbal Khawaja 61

Role of Religious Parties
by Dr. Muzaffar Iqbal 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

طلوع اسلام کیا کہتا ہے؟

اگر آپ نے اس سے پہلے نہ سنا ہو تو اب سن لیجئے کہ

طلوع اسلام کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ مسلمانوں سے ہٹ کر کوئی نیا فرقہ بنائیں۔ کیونکہ قرآن کی رو سے فرقہ بندی شرک ہے۔

طلوع اسلام کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ پانچ نمازیں نہ پڑھئے تین پڑھیں۔ یا اس طرح نہ پڑھیں اس طرح پڑھیں۔

طلوع اسلام یہ کبھی نہیں کہتا کہ آپ مہینہ بھر کے روزے نہ رکھیں۔ نو دن کے رکھیں یا تین دن کے رکھیں۔

طلوع اسلام کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ حج نہ کریں۔

غرضیکہ طلوع اسلام کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ مسلمانوں جیسی زندگی بسر نہ کریں۔ طلوع اسلام فقط اتنا کہتا ہے کہ آپ جو کچھ کریں اس میں یہ دیکھ لیں کہ وہ اللہ کی منشاء کے مطابق ہو رہا ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس عمل کا وہ نتیجہ نکل رہا ہے یا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے اگر وہ نتیجہ نکلتا ہے تو آپ کا عمل خدا کی منشاء کے مطابق ہے اور اگر نہیں نکلتا تو وہ خدا کی منشاء کے مطابق نہیں ہے۔

اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ دین پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں اس دنیا کی خوشگواریاں نصیب ہو جائیں گی اور آخرت بھی سنور جائے گی۔ لہٰذا اگر ہمارے اعمال سے دنیا کی خوشگواریاں نہیں ملتیں۔ اگر لوگ بھوکے مرتے ہیں، کپڑا نصیب نہیں ہوتا۔ انہیں رہنے کو مکان نہیں ملتا انہیں بین الاقوامی دنیا میں عزت نصیب نہیں ہوتی تو ہمارے اعمال دین کے مطابق نہیں ہیں۔ انہیں دین کے مطابق کر لو تو تمہیں یہ سب کچھ مل جائے گا۔

طلوع اسلام بس اتنا کہتا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی بات اس کی طرف منسوب کرتا ہے وہ فتنہ پھیلاتا ہے اور فساد برپا کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امت مسلمہ کا ہر فرد جاننا چاہتا ہے کہ

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

اس اہم اور پریشان کن سوال کا جواب

صرف ایک خط لکھ کر

مفت

حاصل کیجئے

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ، 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

Ph:42-5714546

Email: Idara@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفسدین کا انجام

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

پرویز

﴿طلوع اسلام بابت مئی ۲۰۰۱ء میں پرویز صاحب کا ایک مقالہ شائع ہو چکا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے۔ زیر نظر مقالہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ خدا کے قانون مکافات کی رو سے فساد کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس وقت جبکہ ساری دنیا کی کیفیت وہ ہو چکی ہے جس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (۳۰/۴۱) "لوگوں کے خود ساختہ نظام و اعمال کا نتیجہ یہ ہے کہ کرۂ ارض پر ہر جگہ فساد ہی فساد نظر آ رہا ہے" ان تنذیرات قرآنی کا بار بار سامنے لانا نہایت ضروری ہے بالخصوص اپنی قوم کے سامنے جو قرآن کریم پر ایمان رکھنے کی مدعی ہے۔ طلوع اسلام﴾

اصلاح اور فساد' قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحات ہیں اور ایک دوسرے کی ضد۔ ہمارے ہاں' فساد کا لفظ دنگہ فساد یا لڑائی جھگڑے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور "صلح" کا لفظ "صلح صفائی" کے لئے' اور اصلاح' ریفارم کے معنوں میں۔ لیکن (عربی زبان اور) قرآن کریم میں یہ اصطلاحات' ان سے کہیں زیادہ وسیع معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ صلح کے بنیادی معنی ہوتے ہیں "جس چیز کو جس حال میں ہونا چاہئے' اس کا ٹھیک اسی حال میں ہونا"۔ چنانچہ معاشرہ کی ناہمواریاں دور ہو جانے اور افراد کی صلاحیتوں کے مناسب نشو ونما پا لینے کے لئے بھی یہی الفاظ آتے ہیں۔ اعمال صالحہ' ان کاموں کو کہتے ہیں جن سے حسن کائنات میں نکھار پیدا ہو' جن سے معاشرہ کے بگڑے ہوئے کام سنور جائیں۔ اور انسانی ذات کی صلاحیتوں کی نشو ونما ہو جائے۔ فساد اس کی ضد ہے جس کے معنی ہیں' بگاڑ پیدا ہونا۔ توازن بگڑنا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کے پرکھنے کا معیار کیا ہے کہ ایک چیز کو جس حالت میں ہونا چاہئے وہ اس حالت میں ہے یا نہیں۔ طبعی اشیاء (Physical Things) کے متعلق یہ معلوم (یا طے) کرنا آسان ہے کہ جس شئے کو جس حالت میں ہونا چاہئے وہ اس حالت میں ہے یا نہیں۔ معمل (یعنی لیبارٹری) کا ٹسٹ' اس کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ لیکن انسانوں کی اخلاقی اور تمدنی دنیا میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں کوئی مفسد' اس کا اقرار و اعتراف نہیں کرتا کہ وہ فساد پیدا کر رہا ہے۔ اس کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ مصلح (اصلاح کرنے والا ہے) چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ

> واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض۔ قالوا انما نحن مصلحون۔ (۲/۱۱)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد مت برپا کرو تو یہ کہتے ہیں کہ (ہم فساد کب برپا کرتے

ہیں) ہم تو مصلح ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بدنیتی سے فساد کو اصلاح سے تعبیر نہ کرتا ہو بلکہ نہایت نیک نیتی سے فساد کو اصلاح سمجھ کر اس کے لئے کوشاں ہو۔ لیکن نتیجہ بہر حال دونوں صورتوں میں ایک ہی مرتب ہوگا۔۔ لہٰذا' اس چیز کو لوگوں کے انفرادی فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کے لئے کوئی خارجی معیار (Objective Standard) ہونا چاہئے۔ اس کے لئے قرآن کریم نے حسب معمول' ہماری توجہ خارجی کائنات کے نظم و نسق کی طرف مبذول کرائی ہے اور کہا ہے' کہ تم دیکھتے ہو کہ کارگہ کائنات کس طرح ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے۔ اس میں ہر شے ویسی ہی ہوتی ہے جیسی اسے ہونا چاہئے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ آج بارش کے پانی کے اجزاء کچھ اور ہوں اور کل وہ کچھ اور ہو جائیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ جو کے بیج سے گندم پیدا ہو جائے اور گندم کے بیج سے جو۔۔ سورج کبھی کہیں سے طلوع ہونا شروع ہو جائے اور کبھی کہیں سے' چاندنی کا رنگ آج کچھ اور ہو اور کل کچھ اور' کبھی خزاں میں پھول کھلنے لگ جائیں اور بہار میں مرجھا جائیں۔۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ

(۱) کائنات میں۔۔ صرف ایک خدا کا قانون نافذ العمل ہے' کسی اور کا نہیں۔۔ اس لئے یکساں حالات میں ہر عمل کا نتیجہ بھی ایک جیسا مرتب ہوتا ہے۔ اسے سائنس کی اصطلاح میں (Law of Uniformity of Nature) کہتے ہیں۔۔ اور

(۲) ہر شے اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ وہ قانون کو اپنی مرضی کے تابع نہیں رکھتی۔

اول الذکر کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ۔

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (۲۱/۲۲)

اگر ارض و سما (کائنات) میں خدا کے علاوہ کوئی اور صاحب اقتدار بھی ہوتا تو اس میں فساد برپا ہو جاتا۔

اور ثانی الذکر کے سلسلہ میں کہا کہ

ولو اتبع الحق اھواء ھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن۔ (۲۳/۷۱)

اگر حق (خدا کا قانون محکم) لوگوں کی مرضی کے تابع ہو جائے' تو ساری کائنات میں فساد برپا ہو جائے۔

یعنی فساد (بگاڑ) سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ (۱) قانون ایسا ہو جو کسی کی خواہش' مرضی' آرزو' یا مفاد کے تابع نہ ہو۔۔ اور (۲) ہر ایک اس قانون کا اتباع کرے۔ خارجی کائنات کا نظام اسی پروگرام کے مطابق چل رہا ہے۔ اس میں جو قانون کارفرما ہے وہ نہ تو اشیائے کائنات کا اپنا پیدا کردہ ہے اور نہ ہی کسی کی خواہش کے مطابق اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور دوسرے یہ کہ ہر شے اس قانون کے مطابق چلنے پر مجبور ہے۔۔ و (ھم) لا یستکبرون۔ (۲۱/۱۹)

جہاں تک انسانوں کی تمدنی دنیا کا تعلق ہے' اس کے لئے بھی اسی خدا نے قوانین مقرر کر دیئے ہیں جس نے اشیائے کائنات کے لئے قوانین مرتب کئے ہیں۔ لیکن انسان اور دیگر اشیائے کائنات میں ایک بنیادی فرق ہے (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) اشیائے کائنات' متعلقہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور پیدا کی گئی ہیں' لیکن انسان کو اس باب میں صاحب اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے۔ مشیت چاہتی یہ ہے کہ جو کچھ اشیائے کائنات مجبوراً کرتی ہیں' انسان وہی کچھ (یعنی قوانین خداوندی کا اتباع) اپنے اختیار و ارادے سے کرے' کہ اسی سے اس کی ذات کی نشوونما اور شرف انسانیت کی بالیدگی ہوتی ہے۔

لیکن انسان اپنے اختیار و ارادے کا استعمال غلط کرتا ہے اور اسی سے وہ تمام فساد پیدا ہوتا ہے' جو اس کی زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔ یہ اپنے لئے آپ قوانین وضع کرتا ہے اور پھر تماشا یہ کہ ان قوانین کا بھی کماحقہٗ اتباع نہیں کرتا۔ ان سے بچنے کے لئے گریز کی ہزار راہیں نکالتا اور لاکھ حربے تراشتا

ہے۔۔ انسان کی یہی وہ ذہنیت (اور روش) ہے' جسے قرآن کریم نے قصہ آدم کے تمثیلی انداز میں بایں حسن وخوبی بیان کیا ہے۔ ملائکہ اس جدید مخلوق کے ہیولائے آب وگل کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء (۲/۳۰) اسے بااختیار بنایا جا رہا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔۔ کہا کہ ٹھیک ہے۔ اگر اسے اعلیٰ حالہ چھوڑ دیا گیا تو یہ ایسا ہی کرے گا۔ لیکن ہم اسے خود قوانین زندگی دیں گے۔۔ (فاما یاتینکم منی ھدی) یہ اگر ان قوانین کا اتباع کرے گا تو پھر یہ حالت نہیں ہوگی۔۔ فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (۲/۳۸) جو ان قوانین کا اتباع کرے گا تو ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا نہ حزن' ان کی تمدنی زندگی فسادانگیزیوں سے مامون اور خون ریزیوں سے مصئون رہے گی۔ اس کا نام اصلاح ہے اور اس کی خلاف ورزی کا نتیجہ فساد۔۔ اسی لئے تاکید کی گئی کہ۔۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔۔ جب تمہاری تمدنی زندگی بہ حالت اصلاح ہو تو اس میں فساد مت پیدا کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ۔ وادعوہ خوفاً وطمعاً (۷/۵۶) رفع مضرت مقصود ہو' یا جلب منفعت (کسی کے نقصان سے بچنا چاہو' یا کوئی فائدہ حاصل کرنا۔ دونوں صورتوں میں) قانون خداوندی کو آواز دیا کرو' اور اس کے مطابق قدم اٹھایا کرو۔ تمہاری زندگی فساد سے محفوظ ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر تم نے اس اصول حیات سے انکار کیا اور اس سے سرکشی برتی۔۔ خود بھی سرکشی برتی اور دوسروں کو بھی اس راستے پر چلنے سے روکا' تو اس سے اس قسم کا فساد پیدا ہو جائے گا جس کی تباہیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ (۱۶/۸۷)

☆☆☆☆☆☆☆

ان اصولی ہدایات کے بعد قرآن کریم نے محسوس انداز میں بتایا کہ انسانوں کی تمدنی زندگی میں فساد کس کس شکل میں رونما ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس نے فساد ملوکیت کو نمایاں طور پر پیش کیا جس کی نمائندگی دنیا کا ہر فرعون کرتا ہے۔ اس سے مراد ہے ایسا نظام مملکت جس میں انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی اطاعت کی جائے (خواہ اس کی عملی شکل۔۔۔ جلال پادشاہی ہو' یا جمہوری تماشا)۔ مفاد ملوکیت کا پہلا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسانی وحدت کو ختم کر کے' انہیں مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔۔ و یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل و یفسدون فی الارض۔ (۱۳/۲۵) جس انسانی برادری کو ملا کر رکھنے کا حکم خدا نے دیا تھا وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور اس طرح زمین میں فساد برپا کر دیتے ہیں۔۔ اس کی بدترین شکل' عصر حاضر کی قومیت پرستی (نیشنلزم) ہے جس نے (محض نقشوں پر کھینچی ہوئی فرضی اور غیر فطری لکیروں کے مطابق) عالمگیر انسانیت کو اس طرح مختلف گروہوں میں بانٹ رکھا ہے کہ ایک گروہ' دوسرے گروہ کے خون کا پیاسا' اور ایک قوم دوسری قوم کی جان کی دشمن بن رہی ہے۔ اس سے اگلا قدم' ایک قوم کے اندر مختلف پارٹیاں بنانا ہے۔ قرآن کریم نے فرعون کے خلاف جو سب سے بڑا جرم عائد کیا ہے' وہ یہی ہے کہ وہ قوم (بنی اسرائیل) کو پارٹیوں میں تقسیم کرتا رہتا تھا۔۔ ان فرعون علا فی الارض۔۔ فرعون نے ملک میں بڑی سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔۔ اس نے ادھم مچا رکھا تھا۔ وجعل اھلھا شیعا۔ یعنی اس نے ملک کے باشندوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔۔ اس پارٹی بازی سے اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ کہ یستضعف طائفۃ منھم۔۔ وہ اس طرح اس گروہ کو جس سے اسے ذرا خطرہ محسوس ہوتا تھا' کمزور کر دیتا تھا۔ اس کی عملی شکل یہ تھی کہ یذبح ابناء ھم و یستحی نساء ھم۔ اس پارٹی کے ان افراد کو جن میں جوہر مردانگی کی نمود ہوتی' ذلیل وخوار کر دیتا اور ''زنخوں'' کو آگے بڑھاتا چلا جاتا۔ انہ کان من المفسدین (۲۸/۶)۔۔ یہ تھی اس کی فساد انگیزی' جس سے اس نے معاشرہ میں اس قدر ناہمواریاں پیدا کر رکھی تھیں۔

اور یہ چیز کسی خاص فرعونی حاکم کے ساتھ مخصوص

نہیں تھی، یہ ملوکانہ حکمت عملی ہے، جو ہر زمانے میں اسی طرح کارفرما رہتی ہے۔ چنانچہ سورہ نمل میں، اس حقیقت کو (ملکہ سبا کی زبانی) ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها و جعلوا اعزة اهلها اذلة۔ وكذالک يفعلون۔ (۲۷/۳۴)

یاد رکھو! جب بادشاہ کسی ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو اسے الٹ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی وہاں کے صاحب عزت اکابرین کو سب سے زیادہ ذلیل وخوار بنا دیتے ہیں اور یہ بات کسی خاص بادشاہ سے متعلق نہیں، ملوکیت میں یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے اور یہی کچھ ہوتا رہے گا۔

ملوکیت کی ہستی کا راز ہی اس میں ہے کہ قوم مختلف پارٹیوں میں بٹی رہے، اور اس میں ایسا اتار چڑھاؤ ہوتا رہے کہ کبھی ایک گروہ اوپر آجائے اور کبھی دوسرا۔۔ اور اس عمل دولابی میں نکتہ یہ پیش نظر رہے کہ جس فرد یا گروہ میں کہیں جوہر انسانیت کے آثار محسوس ہوں، اسے کچل کر رکھ دیا جائے اور اپنے گردو پیش انہیں رکھا جائے جن میں ابھرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ یہ تھی فساد آدمیت کی وہ اولین لعنت جسے مٹانے کے لئے آسمانی انقلاب کے داعی (حضرات انبیاء کرامؑ) دنیا میں آتے رہے۔۔۔ اور یہی تھی ان کی وہ انقلابی دعوت، جسے ملوکیت کے علمبردار ''فساد'' سے تعبیر کر کے، کچل دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب صاحبِ ضرب کلیم، حضرت موسیٰؑ نے اس حکمت فرعونی کے خلاف آواز بلند کی تو فرعون کے درباریوں نے اس سے کہا کہ۔۔ اتذر موسیٰ و قومه ليفسدوا فی الارض۔ (۷/۱۲۷)۔ ''کیا تو موسیٰؑ اور اس کی قوم کو اس طرح آزاد چھوڑ دینا چاہتا ہے کہ وہ ملک میں فساد برپا کر دیں۔''

آپ نے غور فرمایا۔ کہ ملوکیت کے نمائندگان کے نزدیک ''اصلاح'' کا تصور کیا ہوتا ہے اور ''فساد'' سے مراد کیا؟ ہر مستبد قوت، معاشرہ میں صحیح اصلاح کو فساد سے تعبیر کر کے، اس کے داعیان کو حوالہ دارورسن کر دینا چاہتی ہے۔ یہ اربابِ اقتدار کا گروہ ہوتا ہے، جسے اس قسم کے صحیح انقلاب میں، اپنی مفاد پرستیوں کی موت نظر آتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت صالحؑ نے، قوم ثمود کی فساد انگیزیوں کے خلاف، (جن کی تفصیل ذرا آگے چل کر آئے گی) اعلان احتجاج کیا تو اس قوم کے ارباب اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا۔ ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی۔

و كان فی المدينة تسعة رهط يفسدون فی الارض ولا يصلحون (۲۷/۴۸)

دارالسلطنت میں صرف نو بڑے بڑے سردار تھے، جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار تھی۔ وہی ان تمام شرارتوں کی جڑ تھے وہ ملک میں ناہمواریاں پیدا کرتے رہتے تھے اور قوم کو کبھی اصلاح کی طرف نہیں آنے دیتے تھے۔

چنانچہ

انہوں نے اپنی میٹنگ بلائی اور آپس میں کہا کہ قسم اٹھاؤ کہ ہم سب مل کر صالحؑ اور اس کے ساتھیوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے اور پھر ان کے ورثاء کے سامنے صاف مکر جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ ہم نے انہیں قتل ہوتے دیکھا تک نہیں اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ (۲۷/۴۹)

☆☆☆☆☆☆☆

یہ تھی فساد آدمیت کی پہلی شکل۔۔۔۔ یعنی بساطِ ملوکیت کی مہرہ بازیاں۔۔ اس کی دوسری شکل، معاشی ناہمواریاں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے بڑی شرح و بسط سے کیا ہے۔ اس نے قصہ آدم کے (تمثیلی انداز) میں، اس ''جنت کی زندگی'' کے متعلق، جس میں ہنوز فساد پیدا نہیں ہوا تھا، کہا کہ اس میں کیفیت یہ تھی کہ وكلا منها رغداً حيث شئتما۔ (۲/۳۵)۔۔ ہر ایک کو، ہر جگہ، سیر ہو کر کھانے کو ملتا تھا۔۔ اس میں کسی فرد کو، نہ بھوک کا خوف ستاتا تھا،

نہ پیاس کا"۔۔ نہ لباس کی محتاج تھی نہ مکان کی" (۱۱۹۔۱۱۸/۲۰)۔۔ یہ تھی معاشرہ کی وہ حالت جسے فساد نے نہیں چھوا تھا۔ اس کے بعد' حقیقت فراموش انسان کی مفاد پرستی نے اس میں فساد پیدا کر دیا تو معاشرہ کی یہ حالت باقی نہ رہی۔ مصلحین انسانیت' حضرات انبیاء کرامؑ آتے رہے' تاکہ معاشرہ کو پھر سے انہی خطوط پر متشکل کریں۔ وہ قوم سے کہتے یہ تھے کہ۔

کلوا۔۔ واشربوا من رزق الله ولا تعثوا فی الارض مفسدین (۲/۶۰)

خدا نے جس قدر سامانِ زیست عطا کیا ہے' اس میں سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھاؤ پیو۔ اور زمین میں فساد مت برپا کرو۔۔ معاشرہ میں ناہمواریاں نہ پیدا کرو۔

قرآن کریم نے جن اقوام کی سرگذشت بیان کی ہے' ان میں سے' قوم ثمود نے اسی قسم کی معاشی ناہمواریاں شدید طور پر پیدا کر لی تھیں۔ اس زمانے کی معیشت' گلہ بانی پر مبنی تھی۔ قوم کے ذی قوت طبقہ نے' ملک کی چراگاہوں اور چشموں پر اس طرح قبضہ کر رکھا تھا کہ کمزوروں اور غریبوں کے مویشیوں کو نہ کھانے کو چارہ ملتا تھا' نہ پینے کو پانی۔۔ حضرت صالحؑ اس "فساد" میں "اصلاح" پیدا کرنے کے لئے اٹھے۔ انہوں نے ان مستبد سرداروں سے کہا کہ۔۔ فاذکروا آلاء الله ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔ (۷/۷۴)۔۔ خدا نے تمہیں جن نعماء سے نوازا ہے' انہیں پیش نظر رکھو' اور ملک میں فساد برپا نہ کرو۔۔ معاشی ہمواریاں پیدا کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام مویشیوں کی باری باندھ لو۔۔ خواہ وہ غریبوں کے مویشی ہوں اور خواہ امیروں کے' رزق کی ضرورت تو ہر مویشی کو ہوتی ہے۔ ان کی ضروریات پوری ہونے دو۔

قوم مدین کا معاشی نظام' کاروباری تھا اور انہوں نے اس میں بھی فساد پیدا کر رکھا تھا۔ اس فساد کی تشریح' حضرت شعیبؑ کے الفاظ میں یوں بیان ہوئی ہے۔ انہوں نے قوم سے کہا کہ

فاوفوا الکیل و المیزان ولا تبخسوا الناس اشیآء ھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ (۷/۸۵)

(تمہیں چاہئے' کہ اپنے معاشی نظام میں عدل سے کام لو) ماپ تول کو پورا رکھو۔ لوگوں کے حقوق و واجبات میں کمی نہ کرو' اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہو جانے کے بعد' ناہمواریاں مت پیدا کرو۔

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر' قوم مدین کی اس فساد انگیزی کا ذکر کیا ہے اور ہر مقام پر اسے انہی الفاظ سے تعبیر کیا ہے (مثلاً ۱۱/۸۵' ۱۸۵۔۲۶/۱۸۴)۔۔ "ماپ تول پورا رکھنے" سے مراد اتنا ہی نہیں کہ ترازو اور باٹ صحیح صحیح رکھو۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اپنے معاشی نظام کو عدل کی بنیادوں پر استوار کرو۔

معاشی فساد کی بنیاد سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے۔ قرآن کریم نے قارون کو اس ذہنیت کے نمائندہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ سورہ قصص میں اس کی "فساد انگیزی" کی تفصیل ان الفاظ میں آئی ہے۔

قارون' قوم موسیٰ ہی کا ایک فرد تھا' کوئی غیر نہیں تھا۔ لیکن اپنی دولت کے بل بوتے پر اپنی قوم کے افراد سے بڑی زیادتی کرتا تھا۔ چنانچہ اس طرح اس کے پاس اس قدر دولت جمع ہو گئی' کہ اس کے خزانے کی حفاظت کے لئے ایک طاقتور جماعت کی ضرورت تھی۔ اس دولت کے نشہ نے اسے مدہوش کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کی قوم کے ہوشمند طبقہ نے اس سے کہا کہ تم اس مال و دولت پر اس قدر اتراؤ نہیں' اس کا نتیجہ خراب ہو گا۔ یہ روش' قانون خداوندی کی رو سے پسندیدہ نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تم مال و دولت کو تیاگ کر تارک الدنیا بن جاؤ۔ ہرگز نہیں۔ ہم کہتے یہ ہیں کہ تم اس سے بھی فائدہ

اٹھاؤ۔ لیکن اس حقیقت کو فراموش مت کرو کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی نہیں جس میں انسان کا منتہائے نگاہ مال و دولت جمع کرنا ہے اور بس! زندگی اس سے آگے بھی چلتی ہے۔ اس مال و دولت سے تم اس زندگی کو بھی خوشگوار بناؤ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہر کمی کو پورا کر کے تمہاری زندگی کو حسین بنا دیا ہے' اسی طرح تم دوسروں کی کمی کو پورا کر کے ان کی زندگی کو بھی حسین بنا دو۔ اور معاشرہ میں فساد (ناہمواریاں) مت پیدا کرو (کہ تم امیر سے امیر تر ہوتے جاؤ' اور دوسرے لوگ غریب سے غریب تر ہوتے جائیں۔ اسی کو فساد کہتے ہیں) اور فساد پیدا کرنے والوں کو خدا کبھی پسند نہیں کرتا۔

یہ سن کر اس نے ان سے کہا کہ تمہیں میرے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ یہ دولت میں نے اپنی ہنرمندی اور چابک دستی سے کمائی ہے' اس لئے جس طرح میرا جی چاہے' صرف کروں۔ اس میں خدا کا کیا دخل ہے اور کسی کو مجھ سے بازپرس کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟

اے کاش! اسے معلوم ہوتا کہ اس قسم کی ذہنیت نے اس سے پہلے کتنی قوموں کو تباہ کر دیا تھا جو اس سے زیادہ قوت و حشمت کی مالک تھیں' اور انہوں نے مال و دولت بھی اس سے کہیں زیادہ جمع کر رکھا تھا۔ خدا کے قانون مکافات نے انہیں تباہ کر دیا۔ ان کے یہ جرائم اس قدر بدیہی اور نمایاں تھے کہ اس کی بھی ضرورت نہ پڑی کہ ان کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کی جائے۔ (نظام سرمایہ داری کی تو بنیاد میں خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی تباہی کہیں خارج سے نہیں آیا کرتی۔) (مفہوم القرآن ۷۰-۷۶/ ۲۸)

اور فساد کا یہی تباہ کن انجام ہے جس کی طرف قرآن کریم نے بار بار توجہ دلائی ہے۔۔ کہیں عمومی حیثیت سے' اور کہیں فساد انگیز قوموں کی تباہی کا خصوصی ذکر کر کے۔۔ عمومی طور پر کہا کہ

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ۔ زدنھم عذابا فوق العذاب بما کانوا یفسدون۔ (۱۶/۸۸)

جو لوگ اس صداقت سے خود بھی انکار کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف آنے نہیں دیتے' ان کی تباہیاں دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ یہ اس فساد کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ جسے وہ معاشرہ میں برپا کرتے ہیں۔

سورہ بقرہ میں' اس روش کے حاملین کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ۔۔ اولئک ھم الخاسرون۔ (۲/۲۷) ان لوگوں کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ سورہ یونس میں کہا کہ۔۔ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین (۱۰/۸۱)۔ یہ یقینی بات ہے کہ خدا کے قانون مکافات کی رو سے' ایسا ہو نہیں سکتا' کہ معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والوں کے کام سنور جائیں۔ یعنی معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور جو لوگ اس بگاڑ کے ذمہ دار ہوں' ان کی حالت سنورتی جائے' یہ ناممکن ہے۔ حالت انہی کی سنورے گی جو معاشرہ کو سنوارنے کی کوشش کریں گے۔ سورہ ص میں ہے۔

ام نجعل الذین امنوا وعملو الصلحت کا المفسدین فی الارض...... (۳۸/۲۸)

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور معاشرہ کو سنوارنے والے کام کریں' وہ اور وہ لوگ جو معاشرہ میں فساد پیدا کریں' دونوں برابر ہو جائیں؟ ایسا ہو نہیں سکتا۔

اس اصول محکم کی تبیین کے لئے اس نے کہا کہ تاریخ کے اوراق پر غور کرو اور دیکھو کہ جن اقوام نے اس قسم کی روش اختیار کی تھی' ان کا انجام کیا ہوا؟۔۔ وانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین۔ (۷/۸۶) عاد اور ثمود اور فرعون (وغیرہ) نے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کیں۔۔ فصب علیھم ربک سوط عذاب۔ (۸۹/۱۳) تو خدا کے قانون مکافات نے انہیں بری طرح

سے تباہ کر دیا۔

یہ تباہی اس وقت آتی ہے جب معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرنے کی روش عام ہو جائے اور جو لوگ اس پوزیشن میں ہوں کہ اس غلط روش کا سدباب کر سکیں وہ بھی لوگوں کو اس سے روکنے کی کوشش نہ کریں۔۔ چنانچہ اقوام سابقہ کی سرگزشت بیان کرنے کے بعد، قرآن کریم نے کہا کہ ان اقوام میں سے جو لوگ تباہی سے بچ جاتے تھے، ان میں سے بھی بعد میں، معدودے چند ایسے رہ جاتے جو اپنے مفاد کو خدا کے قانون کے مطابق حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور ملک میں لوگوں کو ناہمواریاں پیدا کرنے سے روکتے، ورنہ باقیوں کا حال تو یہ ہو جاتا کہ وہ قوانین خداوندی سے سرکشی برت کر، اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگے رہتے اور دوسروں کا سب کچھ لوٹ کھسوٹ کر لے جاتے، تاکہ ان کی آسودگیوں اور تن آسانیوں میں فرق نہ آنے پائے (خواہ باقی مخلوق پر کچھ ہی کیوں نہ گزرے، یہ تھے ان کے جرائم جن کی وجہ سے ان پر تباہی آتی تھی۔ (مفہوم القرآن ۔۱۱/۱۱۶)

☆☆☆☆☆☆☆

آپ قرآن کریم کے ان مقامات پر غور کریں اور پھر سوچیں کہ اس نے فساد آدمیت کی جو جو شقیں بتائی ہیں، کیا وہ ہمارے معاشرے میں جمع نہیں ہو رہیں؟ اور اگر یہ حقیقت ہے تو کیا اس انداز معاشرت کا حتمی اور یقینی نتیجہ وہی نہیں ہوگا۔ جو اقوام سابقہ کے ہاں ہوا تھا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری حالت اس وقت بعینہ ویسی ہی ہو چکی ہے جیسی قوم مدین کی تھی۔ اس قوم کے متعلق جو کچھ قرآن کریم نے کہا ہے وہ ہر قلب حساس کے لئے سامان صد ہزار عبرت اپنے اندر رکھتا ہے۔ سورہ ھود میں ہے۔

اور اسی طرح ہم نے قوم مدین کی طرف، ان کے بھائی بند، شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے ان سے کہا کہ تم (اپنے آئین و رسوم کو چھوڑ کر) صرف خدا کے قوانین کی اطاعت اختیار کر لو۔ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت تو تم بڑے خوش حال ہو، لیکن تم نے اپنے معاشرہ میں سخت ناہمواریاں پیدا کر رکھی ہیں۔ اس حالت کو بدلو۔ اپنے ناپ تول کے پیمانوں کو پورا رکھو۔ ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ تم پر ایسی تباہی آ جائے گی جو تم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

اے میری قوم کے لوگو! اپنے معاشی نظام کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھو اور کسی کے حق میں کمی نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو ملک میں سخت ناہمواریاں (فساد) پیدا ہو جائیں گی اور معاشرہ تہس نہس ہو جائے گا۔

یاد رکھو! جو کچھ تم اس طرح فریب کاری اور سلب و نہب سے اکٹھا کر لیتے ہو، اگرچہ وہ بظاہر بہت کچھ نظر آتا ہے لیکن وہ تمہارے لئے قطعاً نفع بخش نہیں ہو سکتا۔ ثبات و دوام صرف ان مفادات کے لئے ہے جو قوانین خداوندی کے مطابق حاصل کئے جائیں۔۔ اور خدا کا قانون یہ ہے کہ ثبات و دوام اسے حاصل ہو سکتا ہے جو نوع انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔ لیکن یہ بات تمہاری سمجھ میں اس وقت آ سکتی ہے جب تم خدا کے قانون کی صداقت کو تسلیم کرو۔ اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے، تو تم سے اسے جبراً نہیں منوایا جا سکتا۔ میرا کام تم تک اس پیغام کو پہنچا دینا تھا۔ میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا جو تم سے جبراً یہ کچھ منواؤں۔ (مفہوم القرآن ۸۶۔۱۱/۸۴)

ہم سمجھتے ہیں کہ اس باب میں اس سے زیادہ اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جب تک قوم۔ خدا کے قانون مکافات عمل پر ایمان نہیں لاتی۔۔ یعنی اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم نہیں کرتی۔۔ اس کی حالت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔۔ اور جب تک یہ اپنی موجودہ روش میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی، یہ تباہی سے بچ نہیں سکتی۔ یہ خدا کا قانون ہے۔

ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

اور خدا کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

ر ض ی

رَضِیَ یَرْضٰی رِضْوَاناً و رضاً کے معنی ہوتے ہیں کسی سے متفق ہونا۔ کسی کی بات کی تصویب کر دینا۔ (Approve) کر لینا۔ لیکن اس میں دل کی رضامندی اور رغبت و خوشی کا پہلو پایا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی کراہت اور جبر نہ ہو۔ تَرَاضَیَاہُ۔ دونوں نے کسی بات پر آپس میں برضا و رغبت اتفاق کر لیا۔ اسے باہمی (Agreement) سے کیا۔ اس پر دونوں کی رضامندی ہو گئی۔ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (۲/۲۳۲) ''جب وہ (میاں بیوی) قاعدے کے مطابق ایک دوسرے سے رضامندی کے ساتھ متفق ہو جائیں'' (لین و تاج)۔ رَضِیَہٗ لِھٰذَا الْاَمْرِ۔ اسے اس کام کا اہل سمجھا۔ اِرْتَضَاہُ لِصُحْبَتِہٖ وَخِدْمَتِہٖ۔ اسے اپنی صحبت اور خدمت کا اہل سمجھا اور اس کے لئے منتخب کر لیا۔ رَضِیْتُ الشَّیْئَ وَبِہٖ۔ میں نے اس چیز کو پسند کر لیا اور اسے اختیار کر لیا (لین و تاج)۔ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی (۲/۱۲۰)۔ ''تجھ سے یہود اور نصاریٰ کبھی متفق نہ ہونگے''۔ تجھ سے کبھی راضی نہ ہونگے۔

قرآن کریم میں مومنین کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (۹/۱۰۰)۔ اس کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا ہے ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''۔ چونکہ راضی ہو جانا اور ناراض ہو جانا انسانی جذبات ہیں اس لئے اس سے ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہی جذبات خدا میں بھی ہیں۔ وہ بھی کسی بات سے خوش ہو جاتا ہے اور کسی سے ناراض ہو جاتا ہے۔ خدا خوشی اور ناراضگی کے ان انسانی جذبات سے مبرا ہے۔ اس لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ کا مفہوم اس سے مختلف ہے۔ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ایک بات کا تمہیداً سمجھ لینا ضروری ہے۔ جب ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا تو اس نے دیوی دیوتا یا خدا کا تصور ایسا ہی پیدا کیا جیسا وہ اپنے سامنے بادشاہ کو دیکھتا تھا' اس لئے کہ اس کے نزدیک بادشاہ سے بڑھ کر قوت اور اقتدار کا مالک کوئی اور نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ذہن نے خدا کو بھی (بادشاہ کی طرح) ایک تخت پر بٹھایا۔ پھر یہ سمجھا کہ بادشاہ کے امراء و وزراء کی طرح خدا کے بھی مقربین ہیں جنہیں اس کے کاروبار میں عمل دخل ہے۔ نیز اس کے حاجب و دربان بھی ہیں۔ بندے اس کی رعایا ہیں جنہیں اس کے سامنے دم مارنے کی جا نہیں۔ اگر انسان نے اپنی کوئی درخواست اس کے حضور پیش کرنی ہو تو اس کے ساتھ کوئی نذرانہ بھی پیش کرنا ضروری ہو گا۔ نیز اس درخواست کو' بادشاہ کے مقربین میں سے کسی کی وساطت سے وہاں تک پہنچانا ہو گا تا کہ وہ سفارش کرے۔ ان درخواستوں کے فیصلے (یا بادشاہ کے دیگر احکام) کسی قاعدے اور قانون کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس کا انحصار بادشاہ کے مزاج پر ہوتا ہے۔ اگر وہ خوش ہو گیا تو گاؤں بخش دیا۔ اگر ناراض ہو گیا تو گدھوں کے ہل چلوا دیئے۔ بادشاہ کی خوشی اور ناراضگی بھی کسی اصول کے مطابق نہیں ہوتی۔ سعدی کے الفاظ میں' مزاج شاہاں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ''گاہے بہ سلامے

برنجند و گاہے بہ دشنامے خلعت بہ بخشند''۔ کبھی سلام کرنے پر ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی دینے پر انعام دیتے ہیں۔ لہٰذا بندوں کی تمام تر کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کسی طرح خدا کو راضی رکھیں۔ اسے خوش کر لیں۔ ایشور کی بھگتی۔ ڈنڈوت۔ پوجا پاٹ۔ اس کے چرنوں (قدموں) میں شردھا (عقیدت) کے پھول چڑھانا' دیوتاؤں کے استھانوں پر قربانیاں دینا سب اس غرض سے تھا کہ کسی طرح ایشور پر ماتما کو خوش رکھا جائے' تا کہ وہ اپنے بھگتوں سے راضی رہے۔

قرآن کریم نے (اور اس سے پہلے انبیاء سابقہؑ کی طرف وحی نے) اس توہم پرستانہ تصور کو مٹا کر' اس کی جگہ خدا کا صحیح تصور دیا۔ اس تصور کی رو سے بتایا گیا کہ خدا مستبد حکمرانوں کی طرح نہیں۔ اس نے ہر بات کے لئے قاعدہ اور قانون مقرر کر رکھا ہے اور کائنات کے تمام امور اس کے متعین کردہ قوانین و اصول کے مطابق سرانجام پاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لئے بھی اس نے قوانین مقرر کر رکھے ہیں (جن کا علم انسان کو انبیاء کرامؑ کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے اور اب وہ قوانین قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں)۔ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ ان قوانین کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ وہ (بادشاہوں کی طرح) یونہی خوش ہو کر نہ کسی کو انعام دیتا ہے' نہ یونہی ناراض ہو کر عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا کہ خدا نے انسانی زندگی کے سامنے ایک مقصد رکھا ہے اور اس نے جو قوانین عطا کئے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسان ان کے مطابق زندگی بسر کر کے' اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ انسانوں کے لئے یہ راستہ خدا کا پسندیدہ ہے۔ یعنی اگر انسان اس راستے پر چلتا ہے تو وہ خدا کی منشاء کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر اس کے خلاف جاتا ہے تو وہ خدا کی منشاء کے خلاف ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں ''خدا کی رضامندی'' (یا اس کے خلاف' غضب وغیرہ) کے الفاظ آئے ہیں تو وہ اسی مفہوم کے ترجمان ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں ہے وَرَضِیتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (۵/۳)۔ ''میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور ضابطہ حیات پسند کیا ہے''۔ اگر انسان اس ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو وہ خدا کے پسندیدہ راستے پر چلتا ہے۔ اسے ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف' ایک مومن کے دل کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کے پسندیدہ راستے کو محبوب رکھتا ہے اور اس کے خلاف دوسرے راستوں کو ناپسند کرتا ہے۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ۔ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الرّٰشِدُوۡنَ۔ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعۡمَۃً۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ (۴۹/۸) ''لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب و مزین بنا دیا ہے اور کفر و فسق و عصیان کو نامرغوب۔ ایسے ہی لوگ صحیح راستے پر چلنے والے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے''۔ ایمان کا دلوں میں اس طرح مرغوب بن جانا' ''رَضُوۡا عَنۡہُ'' ہے۔

اس سے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (۹/۱۰۰) کا مفہوم سمجھ میں آ جائے گا۔ یعنی ''اللہ کے راضی ہونے'' سے مراد یہ ہے کہ خدا کے پسندیدہ راستہ (قرآن کریم) کے مطابق چلا جائے اور انسانوں کا خدا سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا تجویز کردہ راستہ' ان کے دلوں میں محبوب و مرغوب بن جائے۔ قرآن کریم کے دیگر مقامات سے بھی اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ میں منافقین کے متعلق ہے کہ یُرۡضُوۡنَکُمۡ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَتَاۡبٰی قُلُوۡبُہُمۡ (۹/۸) ''وہ اپنے منہ سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں''۔ یہاں اِرۡضَاءَ بمقابلہ اَبٰی آیا ہے۔ اَبٰی کے معنی ہیں سختی سے انکار کرنا۔ لہٰذا رَضِیَ کے معنی برضا و رغبت موافقت کرنے اور دلی طور پر ہم آہنگی کے ہونگے۔ یہ مفہوم سورۃ بقرہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔ پہلے منکرین کے متعلق ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اتَّقِ اللّٰہَ (۲/۲۰۶)۔ قوانین

خداوندی کی نگہداشت کرو' تو وہ ایسا نہیں کرتے۔ اس کے بعد مومنین کا ذکر ہے کہ وہ اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (۲/۲۰۸) کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سے آگے ہے اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً (۲/۲۰۸)۔ خدا کی اطاعت شعاری میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یعنی لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ (۲/۲۰۸)۔ غیر خدائی قوتوں کے احکام وقوانین کا اتباع مت کرو۔ ان تمام ٹکڑوں کو سامنے رکھنے سے مَرْضَاتِ اللّٰه کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کے احکام وقوانین کی پوری پوری اور برضا و رغبت اطاعت۔ یہی معنی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کے ہیں۔ یعنی یہ لوگ قوانین خداوندی کے ساتھ بطیب خاطر پوری ہم آہنگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی ان قوانین کے مطابق ہوتی ہے اور قوانین خداوندی کے خوشگوار نتائج ان سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ ان کی سعادتیں اور برکتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں اس سے ان کے دلوں میں قوانین خداوندی کی محبت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اسی کو اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ (۳/۱۶۱) سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے مقابلہ میں بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ کہا ہے (دیکھئے عنوان س۔خ۔ط)۔ سورۃ محمد میں واضح کر دیا ہے کہ رِضْوَانَه' کے معنی ہیں مَا نَزَّلَ اللّٰهُ یعنی قرآن۔ پہلے کہا گیا ہے کَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ (۴۷/۲۶)۔ اور اس کے بعد ہے کَرِهُوْا رِضْوَانَه' (۴۷/۲۸)۔ یعنی رِضْوَانَه' قرآن کریم (مَا نَزَّلَ اللّٰهُ) کا اتباع ہے اور سخط غیر قرآنی احکام کا اتباع۔ لہٰذا مومنین کا شعار یہ ہے کہ وہ قرآن کریم (مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ) کا پورا پورا اتباع کرتے ہیں۔ اپنی زندگی کو اس سے پورے طور پر ہم آہنگ اور متفق رکھتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے قانون مکافات کے مطابق زندگی کی خوشگواریاں اور شادابیاں ان کے ہمرکاب ہو جاتی ہیں۔ اسی زندگی کا نام عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ (۱۰۱/۷) ہے۔

سورۃ مریم میں ہے کہ حضرت زکریاؑ نے خدا سے بیٹے کی دعا مانگی اور کہا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (۱۹/۶)۔ یہاں رَضِیًّا کے معنی یا تو محبوب ومقبول کے ہیں اور یا یہ کہ وہ تیرے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والا ہو۔ تاج میں رَضِیٌّ کے معنی مطیع بھی لکھے ہیں۔

سورۃ توبہ میں ہے کہ اللہ نے مومنین سے جَنّٰتٍ اور مَسٰکِنَ طَیِّبَةً کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۹/۷۲)۔ اللہ کی "رِضْوَانٌ" ان سب سے بڑھ کر ہے اور یہ ایک عظیم کامرانی (Achievement) ہے۔

یہ آیۂ جلیلہ ایک عظیم حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایمان واعمال صالحہ سے ہوتا کیا ہے؟

انسان نام ہے اس کی طبعی زندگی (Physical Life) اور انسانی ذات (Self) کا۔ زندگی کی کامیابی سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی طبعی زندگی بھی خوشگوار رہے اور اس کی ذات کی بھی نشوونما ہو جائے۔ انسان کی نشوونما سے مراد یہ ہے کہ اس میں جس قدر مضمر صلاحیتیں ہیں وہ بیدار ہو جائیں۔ خدا کی ذات ایک مکمل ترین ذات ہے جس میں اس کی تمام صفات بطریق احسن جلوہ فرما ہیں۔ وہی صفات انسان کی ذات میں بھی ہیں لیکن علیٰ قدر بشریت۔ یعنی چھوٹے پیمانے پر۔ انسانی ذات کی نشوونما کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ان صفات کی نمود ہوتی جائے۔ اب ظاہر ہے کہ انسانی ذات کو جس قدر زیادہ نشوونما حاصل ہو گی یہ اتنی ہی زیادہ صفات خداوندی سے ہم آہنگ ہوتی جائے گی۔

ایمان واعمال صالحہ سے ہوتا یہ ہے کہ انسانی ذات کی اس طرح نشوونما ہوتی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسے زندگی کی خوشگواریاں بھی ملتی چلی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ زندگی کی یہ خوشگواریاں بڑی خوش آئند اور مبارک ہیں اور ان کا حاصل ہو جانا بھی بڑی چیز ہے۔ لیکن حقیقی کامرانی و

کامیابی یہ ہے کہ اس سے انسانی ذات، صفات خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ ذَالِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ ان اعمال کا بدلہ (یا نتیجہ) ایک تو اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ انسان کی خارجی دنیا حسین و خوشگوار ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی داخلی دنیا میں بھی ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے۔ یہ انقلاب (یعنی انسانی ذات کا نشوونما پا جانا) بہت بڑی کامرانی ہے۔ یہی چیز ہے جسے باندازِ دگر یوں کہا گیا ہے کہ لَهُمْ مَا يَشَاؤُنَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدُ (۵۰/۳۵) ''جنت میں ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ خواہش کرتے ہیں اور ہمارے پاس (اس سے بھی) بڑھ کر (کچھ اور) ہے''۔ یعنی انسان کی خواہش اس کے علم وجذبات کی موجودہ سطح کے مطابق ہی ہوسکتی ہے۔ لیکن جب جنت کی زندگی میں یہ سطح ہی بلند ہو جائے گی تو وہاں جو کچھ ملے گا وہ ان کی موجودہ خواہشوں اور آرزوؤں سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس کی ذات کی نشوونما بایں نمط ہوگی کہ اس کے شعور کی موجودہ سطح اس کا اندازہ نہیں کرسکتی۔

لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسانی ذات کی یہ نشوونما صرف اس معاشرہ کے اندر ہوسکتی ہے جو قرآن کریم متشکل کرتا ہے۔ خانقاہوں کی تجرد گاہوں میں نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا بات پھر وہی آ جاتی ہے کہ رضوان من اللہ یا مرضات اللہ' قرآن کریم کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کے خوشگوار نتائج کا نام ہے۔

سورۃ انبیاء میں ہے وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى (۲۱/۲۸)۔ اس کے لئے عنوان ش۔ف۔ع دیکھئے۔

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیئرنگ ایجنسی
کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ
کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیئرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ھیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ، ۲۴۳۱۰۴۵ - ۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر :۔
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منکرین حدیث

(از رسالہ جامعہ دہلی، ستمبر ۱۹۳۱ء)

جب سے حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی، اسی وقت سے اہل علم کی ایک جماعت ایسی ہوتی چلی آئی، جو اس کی دینی حیثیت کی منکر رہی، یعنی ان کے انکار کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حدیث کے وجود یا اس کی حقیقت ہی کو نہیں مانتے یا اس کو بالکل جھوٹ جانتے ہیں، بلکہ صرف یہ کہ اس کو دینی حجت نہیں تسلیم کرتے۔ دین خالص ان کے نزدیک سوائے قرآن کریم کے اور کچھ نہیں۔ حدیث کو وہ صرف دینی تاریخ قرار دیتے ہیں، جس سے عہد رسالت اور زمانہ صحابہؓ میں قرآن پر عمل کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور بس۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۲۰۴ھ نے اپنی کتاب الام کی ساتویں جلد میں اس جماعت کا ذکر کیا ہے، بلکہ ان میں سے ایک کے ساتھ اپنی بحث کا بھی حال لکھا ہے۔ اس نے امام موصوف سے سوال کیا جو مختصراً یہ تھا:

"قرآن میں جو فرائض مسلمانوں پر عاید کئے گئے ہیں۔ ان میں سے تم کسی کو عام قرار دیتے ہو، کسی کو خاص اور کسی کو فرض اور کسی کو صرف مباح اور یہ سب کچھ ان روایات کی بنیاد پر کرتے ہو جو ان لوگوں سے مروی ہیں، جن میں سے اکثر کو نہ تم نے دیکھا نہ ان سے ملے اور باوجود اس کے کہ ان رواۃ حدیث میں سے جن کی عدالت اور ثقاہت تمہارے نزدیک مسلم ہے۔ تم کسی کی نسبت یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہ غلطی، غلط فہمی، خطا اور نسیان سے بھی بری ہیں، پھر بھی ان کی روایتوں کو اس قدر برحق سمجھتے ہو کہ کتاب الٰہی کے احکام اور فرائض میں ان کے ذریعے سے تفریق کر ڈالتے ہو"۔

امام صاحب نے اس کا جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان روایات سے سنت کی خبر صادق ہم تک پہنچتی ہے اور سنت وہی ہے جس کو قرآن نے "الحکمہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذا بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب و الحکمۃ۔ (۳/۱۶۴)

مومنوں پر اللہ نے احسان کیا جو ان کے اندر انہیں میں سے ایک رسول کھڑا کیا جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا، ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

دوسری آیت ہے:

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا۔ (۵۹/۸)

رسول جو تم کو دے وہ لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔

اس سے سنت کی دینی حیثیت ثابت ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سن کر اس منکر نے اپنے قول سے رجوع

کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دلیلوں سے اس منکر کے قائل کر دینے کو ہم امام شافعی کی کرامت ہی سمجھتے ہیں ورنہ ان سے تو اس کے سوال کے کسی حصہ کا بھی جواب نہیں ہوا۔ کیوں کہ اس کا اعتراض نفس روایت اور ذریعہ خبر کے متعلق تھا کہ مشتبہ ہے' اس لیے قرآن کی غیر مشتبہ آیات میں فیصلہ کرنے کے قابل نہیں۔ علاوہ بریں ''الحکمۃ'' سے جو انہوں نے سنت مراد لی ہے' کسی طرح صحیح نہیں۔ حکمت قرآن میں شامل اور منزل من اللہ ہے' جیسا کہ دوسری آیات میں جا بجا تصریح ہے:

وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ۔ (۴/۱۱۳)

اور اللہ نے تیرے اوپر کتاب اور حکمت نازل کی۔

سورہ بنی اسرائیل میں توریت کے احکام عشرہ کے مقابل احکام سیزدہ گانہ نازل کرنے کے بعد اللہ فرماتا ہے:

ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ۔ (۱۷/۳۹)

یہ اس حکمت (دانش مندی) کی باتوں میں سے ہے' جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہے۔

خود اس منکر نے اعتراض کیا تھا کہ

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمۃ۔ (۳۳/۳۴)

تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت جو تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد کرو۔

سے معلوم ہوا کہ ''الحکمۃ'' بھی قرآن ہی ہے ورنہ سنت کی کون تلاوت کرتا ہے' مگر باوجود اس کے شافعی جیسے امام نے جو ائمہ مذاہب میں نہایت ذہین اور قرآن کے ماہر تھے توجہ نہ کی اور اپنی ہی تفسیر پر مصر رہے' حالانکہ ان کا خود قول ہے کہ سنت منزل من اللہ نہیں ہے بلکہ استنباطات نبویہ کا نام ہے۔ پھر جب الحکمۃ کا قرآن سے منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو وہ سنت کیسے ہوسکتی ہے؟

دوسری آیت ''ما اتاکم الرسول'' مال فئے کی تقسیم کے متعلق ہے' اس کو سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

امام شافعی کی ان دونوں دلیلوں کو نجدی اور اہل حدیث علماء آج تک سنت کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں اور کبھی یہ غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ان آیات کا اصل مفہوم کیا ہے:

شیخ طاہر جزائری نے بھی اپنی کتاب توجیہ النظر الی اصول الاثر میں منکرین کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وقد ثبت توقف کثیر من الصحابۃ فی قبول کثیر من الاخبار وقد استدل بذلک من یقول بعدم الاعتماد علیھا فی الدین۔

بہت سی حدیثوں کے قبول کرنے میں بہت سے صحابہؓ کا توقف کرنا ثابت ہو چکا ہے۔ اس سے وہ لوگ دلیل پکڑتے ہیں جو دین میں حدیثوں پر اعتماد نہ کرنے کے قائل ہیں۔

الغرض منکرین حدیث کی ایک جماعت اسلام میں رہی ہے' مگر ان کا کوئی جداگانہ فرقہ کبھی نہ تھا' بلکہ یہ ارباب فکر میں سے وہ لوگ تھے جو غور کرتے کرتے اس حقیقت تک پہنچ گئے کہ حدیثیں دینی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اصل دین قرآن ہی ہے۔

ان منکرین کے اقوال و افکار کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور ان کے دلائل و براہین دیکھے ہیں' جو اس کثرت سے ہیں کہ ان کے لکھنے کے لیے ایک ضخیم دفتر درکار ہے' اس لیے میں ان کی جملہ فروعی باتوں کو چھوڑ کر صرف سات اصولی دلائل اپنے الفاظ میں اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔

قائلین حدیث کو ان کا جواب یا حدیث کی دینی حیثیت کا ثبوت قرآن ہی سے دینا چاہئے' کیوں کہ وہی فریقین کی مسلم کتاب ہے جو آیات سند میں لکھی جائیں' ان کی تفسیر بھی آیات ہی سے ہونی چاہئے نہ کہ روایات سے۔

(۱) گذشتہ رسولوں کی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی

کتاب ہی پر ایمان رکھنے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم دیا ہے:

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا (۲/۱۳۶)

کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی۔

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔ (۲/۲۸۵)

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس پر اس کے رب کی طرف سے اتاری گئی اور مومنین بھی۔

وقل امنت بما انزل اللہ من کتاب (۴۲/۱۵)

اور کہہ دے کہ میں ایمان لایا اس پر جو اللہ نے اتارا' یعنی کتاب۔

اس کثرت سے آیات ہیں جن کا شمار مشکل ہے اور سارے قرآن میں شروع سے آخر تک کتاب اللہ کے سوا کسی سنت اور کسی حدیث پر ایمان رکھنے کا مطلق حکم نہیں ہے' بلکہ ممانعت نکلتی ہے۔

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیغل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین۔ (۳۱/۶)

بعض آدمی وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں بلا علم (یقین) کے اور اس کو مذاق بنالیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے۔

اس آیت میں ''لہو الحدیث'' کے لفظ کی تفسیر ائمہ حدیث نے غنا کی ہے' یعنی گانا اور اس کی روایت حضرت ابن عباس تک پہنچائی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ پھر اللہ کو غناء کہنے میں کیا دشواری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر کسی طرح صحیح نہیں۔ کیوں کہ اس آیت میں لہو الحدیث کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ لوگوں کو گم راہ کرنے والی ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی بنیاد علم پر نہیں ہے۔ غناء کی غرض نشاط وطرب ہے۔ اس کا مقصد نہ گم راہ کرنا ہے نہ اللہ کی راہ کو مذاق بنانا ہے اور نہ اس کو علم یعنی یقین یا غیر یقین سے کوئی تعلق ہے۔ یہ صرف قصص اور روایات ہی ہیں جو لہو الحدیث ہیں۔

کہا گیا ہے کہ رسول پر بھی تو ایمان لانے کا حکم قرآن میں ہے' اس لیے اس کے اقوال و اعمال جن کا نام حدیث ہے' خود بخود جزو ایمان بن گئے۔ جواب دیا گیا ہے کہ بے شک ہمارے رسول بلکہ جملہ رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔

لا نفرق بین احد من رسلہ۔ (۲/۲۸۶)

اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی ہم فرق نہیں کرتے (ایمان لانے میں)۔

مگر ساری بحث تو یہی ہے کہ رسول کا پیغام امت کے لیے قرآن ہے یا حدیث۔ رسول پر قرآن نازل کیا گیا۔ اسی کی تلاوت۔ اسی کی تبلیغ اور اسی کی تعلیم کا حکم دیا گیا۔ رسول نے اسی کو سنایا' اسی کو لکھوایا' اسی کو یاد کرایا اور اسی پر عمل کیا۔ اس کے اتارنے والے نے اس کی حفاظت کا بھی ذمہ لے لیا۔ کیا حدیثوں کے لیے ان میں سے کوئی ایک بات بھی تم ثابت کر سکتے ہو؟ حدیثوں کی کیفیت تو یہ ہے کہ جس نے جو دیکھا یا سنا اس کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہی باتیں سلسلہ بہ سلسلہ امت میں پھیلیں اور ایک ایک سچ میں سو سو جھوٹ شامل ہو گیا۔ ایک زمانہ کے بعد تم نے اصول مقرر کر کے ان میں سے کسی کو قابل تسلیم قرار دیا اور کسی کو مسترد کر دیا۔ کیا جن حدیثوں کو تم نے تسلیم کیا ہے ان کے اوپر کوئی آسمانی مہر ہے یا خود رسول اللہ کے سامنے پیش کر کے ان کی تصدیق کرا لی گئی ہے؟ پھر کس طرح ان کو جزو ایمان یا واجب التسلیم کہنے کا حق رکھتے ہو' در آں حالیکہ وہ اصول بھی جن کے اوپر حدیث کی صحت کا دار و مدار تم نے رکھا ہے یقینی صحت کی ضمانت سے قاصر ہیں۔ رسول اللہ نے صرف قرآن ہی پر عمل کیا ہے اور بحیثیت

رسالت وہی امت کے لیے ان کا پیغام ہے:

واوحی الی ھذا القران لا نذرکم بہ ومن بلغ۔ (۶/۲۰)

مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا کہ اس سے تم کو آگاہ کروں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اطاعت رسول قرآن میں مامور بہ ہے:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول۔ (۴/۵۹)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور امیروں کی جو تم میں سے ہوں۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑ بیٹھو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اور جب اطاعت رسولؐ فرض ہے تو لازم ہے کہ اس کے اقوال و اعمال جمع کیے جائیں تاکہ امت اس کی اطاعت کرے۔

اگر یہ استدلال صحیح ہے تو اسلام میں جس قدر امرا ہوئے ہیں، ان میں سے بھی ہر ایک کا ایک ایک مجموعہ احادیث ہونا چاہئے، ورنہ ان کی اطاعت کیسے ہوگی، کیوں کہ ایک ہی لفظ ''اطیعوا'' ہے، جس میں رسول اور امراء دونوں داخل کیے گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ کی اطاعت، باذن الٰہی اور بحیثیت منصب رسالت فرض ہے، جیسا کہ اللہ نے کہا ہے:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴/۶۴)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ باذن الٰہی اس کی اطاعت کی جائے۔

بلکہ چونکہ رسول اللہ ہی کا پیغام لاتے ہیں اور اسی کی اطاعت چاہتے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت اور اللہ کی اطاعت ایک ہی ہوتی ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (۴/۸۰)

جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

لیکن اطاعت رسول سے عملی اور بالمشافہ اطاعت مراد ہے۔ اسکے لیے دفاتر تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے:

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و رسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون۔ (۸/۲۰)

اے مومنو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اس سے منہ نہ موڑو جب کہ تم سن رہے ہو۔

یہ سوال کہ رسول کے بعد کس طرح اس کی اطاعت ہوگی، اولوالامر کی اطاعت کے حکم سے حل ہو جاتا ہے جو اس کی جانشینی کریں گے۔

آیت کے دوسرے ٹکڑے یعنی بصورت تنازع معاملہ کو رسول کی طرف رد کرنے کے حکم سے حدیث کے بعض حامی اس کی دینی حیثیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں، لیکن انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس صورت میں رسول کو کیا کرنے کا حکم ہے۔ سنئے:

فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ (۵/۴۸)

ان کے درمیان قرآن کے مطابق فیصلہ کر۔

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ۔ (۴/۱۰۶)

ہم نے تیری طرف قرآن اتارا حق کے ساتھ کہ جو اللہ تجھ کو سمجھائے، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر۔

دراصل حکم کتاب اللہ ہی ہے۔ رسول یا امیر اسی سے اپنی فہم کے مطابق فیصلہ کرنے پر مامور ہیں۔ اسی لیے

فرمایا:

وما اختلفتم فی شئی فحکمه' الی الله (۴۲/۱۰)

اگر تم کسی بات میں اختلاف کروتو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔

اللہ کے فیصلہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کتاب کی رو سے فیصلہ کیا جائے۔

افغیر الله ابتغی حکما وهو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا۔ (۶/۱۱۵)

کیا اللہ کے ماسوا کوئی حکم تلاش کروں اور وہ تو وہ ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاردی۔

ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الفاسقون۔ (۵/۴۸)

جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

(۲) اتباع کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم یہ ہے:

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء۔ (۷/۳)

اس کی پیروی کرو جوتمہاری طرف تمہارے رب کے یہاں سے اتارا گیا اور اسکے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

اس آیت میں حصر ہے کہ قرآن ہی کی پیروی کرو اور اس کے سوا کسی دوسرے کی پیروی نہ کرو۔ درحقیقت یہ آیت اس امر میں نص صریح ہے کہ بجز کتاب اللہ کے کسی کی پیروی جائز نہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اسی قرآن میں رسولؐ کی اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی۔ (۳/۳۱)

کہہ دے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔

لیکن خود رسولؐ کو کس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کی بھی تصریح قرآن میں ہے:

اتبع ما اوحی الیک من ربک (۶/۱۰۶)

پیروی کر اس کی جو تیرے رب کے پاس سے تیری طرف وحی کی گئی۔

پھر رسولؐ کو اعلان کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے:

قل انما اتبع مایوحی الی من ربی (۷/۲۰۳)

رب کے پاس سے میری طرف وحی آتی ہے۔

لہٰذا رسولؐ بجز وحی کے کسی چیز کا پیرو نہیں تھا' اس لیے اس کی پیروی بعینہ قرآن کی پیروی ہے۔

یہ خیال کہ رسولؐ اللہ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا تھا' سب وحی تھا' جس کے ثبوت میں آیت

ماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی۔ (۵۳/۳۔۴)

وہ نفس کی خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔

پیش کی جاتی ہے صحیح نہیں ہے' کیوں کہ کفار کو جو انکار تھا وہ قرآن کے متعلق تھا' اسی کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ وہ وحی ہے۔ رسولؐ اللہ کی عام گفتگو جو گھر میں یا لوگوں کے ساتھ ہوتی تھی' اس کے متعلق نہ کوئی انکار تھا نہ کوئی بحث تھی چنانچہ دوسری آیات میں تصریح ہے کہ وحی قرآن ہی ہے۔

واوحی الی هذا القران لا نذرکم به ومن بلغ۔ (۶/۱۹)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں تم کو اس کے ذریعہ سے آگاہ کروں اور ان کو بھی جن تک وہ پہنچے۔

قل انما انذرکم بالوحی۔ (۲۱/۴۵)

کہہ دے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے آگاہ کرتا ہوں۔

حصر ہے کہ سرمایہ انذار قرآن ہی ہے اور وہی قرآن لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے مجھ پر وحی کیا گیا ہے۔

جو لوگ وحی کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں، متلو اور غیر متلو جن میں پہلی کو قرآن اور دوسری کو حدیث کہتے ہیں۔ وہ محض ان کی خیالی تقسیم ہے۔ بعضوں نے وحی کی دو قسمیں خفی اور جلی کی ہیں، لیکن ہمارے رسولؐ کی وحی تو سب خفی تھی۔ وحی کی کیفیت خود قرآن میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے:

نزل به الروح الامین علیٰ قلبک (۲۶/۱۹۴)

روح الامین اس کو لے کر تیرے قلب پر اترا ہے۔

(۳) قرآن خالص اور دائمی حق ہے:

ویری الذین اوتو العلم الذی انزل الیک من ربک هو الحق۔ (۳۴/۷)

اور اہل علم جانتے ہیں کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا ہے وہی حق ہے۔

یقینی ہے اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے:

ذلک الکتب لا ریب فیه۔ (۲/۲)

یہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

روح الامین اس کو لاتا ہے اور رسولؐ امین پر اتارتا ہے۔ شہاب ثاقب کے پہرے لگا دیے جاتے ہیں تاکہ کسی قسم کی شیطانی آمیزش نہ ہو سکے۔ چنانچہ وہ جن جنھوں نے قرآن سنا تھا، کہتے ہیں:

کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد له شها بارصدا۔ (۷۲/۱۰)

ہم بیٹھا کرتے تھے سننے کے ٹھکانوں پر، مگر اب جو سنتا ہے تو شہاب کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔

اتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نبی کو اس کے خود پڑھانے اور یاد کرانے کا ذمہ لیتا ہے:

ان علینا جمعه و قرانه' (۷۵/۱۸)

یقیناً ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس کو یاد کرا دیں گے اور پڑھا دیں گے۔

اس بات کی بھی ذمہ داری لیتا ہے کہ یاد کرا دینے کے بعد تم اس کو بھولو گے نہیں۔

سنقرئک فلا تنسیٰ (۸۷/۷)

ہم تمہیں پڑھا دیں گے پھر تم اس کو نہ بھولو گے۔

پھر اس کتاب کی ابد تک حفاظت کرنے کا اعلان کرتا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (۱۵/۱۰)

ہم ہیں کہ ہم نے قرآن اتارا اور ہم ہیں کہ اس کے نگہبان ہیں۔

وہ اس کے لفظ لفظ کا محافظ ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے کلمات کو بدل سکے۔

واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلماته ولن تجد من دونه ملتحدا (۱۸/۲۷)

اور سنا، جو کچھ تیری طرف وحی کی گئی ہے، یعنی اپنے رب کی کتاب۔ کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا ہرگز تجھے کوئی پناہ نہیں ملے گی۔

اور حدیثیں بجز متواتر (جن حدیثوں کی بابت بعض علماء حدیث نے تواتر لفظی کا دعویٰ کیا ہے ان کی تعداد تین چار سے زائد نہیں۔ ان میں بھی دین کی کوئی اہم بات نہیں ہے اور ان کا تواتر بھی قصداً ظہور میں نہیں آیا، بلکہ اتفاقی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ایک حدیث بھی متواتر موجود نہیں) کے جس کے وجود ہی میں بحث ہے باتفاق ائمہ حدیث تمام ظنی ہیں۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

خبر الواحد لا یفید العلم۔

(المستصفیٰ جزو اول ص ۱۴۰)

خبر واحد یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔

خبر واحد کی تعریف بھی اسی صفحہ میں ہے:

انا نرید بخبر الواحد فی هذا المقام مالا ینتهی من الاخبار الی حد

المتواتر المفید للعلم فما نقله جماعته من خمسته اوستته مثلا فهو خبر الواحد۔

ہم اس مقام پر خبر واحد سے وہ خبر مراد لیتے ہیں جو حد متواتر تک جو مفید یقین ہے نہ پہنچے، مثلاً جس خبر کو ایک جماعت پانچ چھ آدمیوں سے روایت کرے وہ خبر واحد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ظن کا روادار نہیں:

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله ان یتبعون الا الظن و ان هم الا یخرصون (۶/۱۱۶)

روئے زمین کے اکثر لوگ ایسے ہی ہیں کہ اگر تو ان کی اطاعت کرے گا تو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے وہ تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور صرف اٹکل دوڑاتے ہیں۔

وما یتبع اکثرهم الا ظنا۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ (۱۰/۳۶)

اکثر ان میں سے نہیں پیروی کرتے مگر ظن کی اور ظن حق کا کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔

ولا تقف ما لیس لک به علم۔ (۱۷/۳۶)

اور اس کے پیچھے نہ چل جس کا تجھ کو علم نہیں۔

اس لیے حدیثیں دینی امور میں کار آمد نہیں۔ صرف تاریخ دین کا کام دے سکتی ہیں۔

(۴) سرچشمہ دین اللہ ہی ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیک۔ (۴۲/۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مشروع کیا، جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کو ہم نے تیری طرف وحی کیا۔

یعنی اولین رسل حضرت نوح علیہ السلام سے خاتم رسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک وہی دین ہے، جو اللہ نے مشروع کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے:

ثم جعلناك علی شریعة من الامر فاتبعها۔ (۴۵/۱۸)

پھر ہم نے تجھ کو (عالم)[1] امر کی شریعت پر لگا دیا ہے اس کی اتباع کر۔

[1] عالم امر جس کے ماتحت عالم خلق میں جملہ طبیعی اور حیاتی حرکات کا صدور ہوتا ہے قرآن کی تعلیمات مہمہ میں سے ہے۔ اس کے سمجھ لینے سے عرش، ملائکہ، روح، وحی، دین اور شریعت وغیرہ کے حقائق واضح ہو جاتے ہیں، لیکن یہ مسئلہ بھی دیگر اہم قرآنی مسائل کی طرح مسلمانوں میں محروم توجہ رہا جس کی وجہ سے بہت سے اختلافات پڑے اور نزاعیں واقع ہوئیں۔ من جملہ ان کے فتنہ خلق قرآن تھا، جس میں علماء وصلحاء مصیبت میں ڈالے گئے۔ خاص کر امام احمد ابن حنبل جیسے بزرگ اٹھائیس مہینے تک قید و بند کی سختی جھیلتے رہے۔ اگر اس وقت عالم امر کی حقیقت واضح ہوتی تو فریقین کو اپنی اپنی غلطی کا علم ہو جاتا اور نزاع نہ ہوتی، نہ علماء کو ضرورت پڑتی کہ قرآن کو غیر مخلوق اور قدیم ثابت کرنے کے لیے حدیثیں بنائیں، کیوں کہ اس رسول اعظمؑ ومہبط وحی سے جس کی رسائی افق اعلیٰ تک تھی اور جو اپنی نورانی چشم بصیرت سے صاف دیکھ رہا تھا کہ وحی کا فیضان عالم امر سے ہے جو کہ سراسر حادث ہے، قطعاً ناممکن تھا کہ اس کو قدیم کہہ دے۔ اسی طرح استواء علی العرش کی بحث ہے جو صدیوں رہی بلکہ آج تک ہے اور علماء کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

قرآن اتار کر اس نے اپنے دین کو مکمل کر دیا اور اعلان فرمایا:

یا ایها الناس قد جاء کم برهان من ربکم وانزلنا الیکم نور امبینا۔ فاما الذین امنوا بالله واعتصموا به فسیدخلهم فی رحمته منه و فضل

ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما۔
(۵/۱۷۵)

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی اور ہم نے نور مبین تمہاری طرف اتار دیا۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو وہ ان کو اپنی رحمت اور مہربانی میں داخل کرے گا اور اپنی طرف سیدھے راستہ کی ہدایت دے گا۔

یہی نور مبین یعنی قرآن ہے جس کی روشنی میں نبی خود چلتا تھا اور سب کو چلاتا تھا۔ اسی آفتاب حقیقت نے اس کے افق قلب پر طلوع ہو کر اس کو سراج منیر بنایا تھا۔ یہی اس کا سرمایہ تعلیم و تبلیغ اور سامان بشارت و انذار تھا۔ اسی سے وہ لوگوں کا تزکیہ کرتا، یعنی ان کو کفر و شرک کی ظلمت سے نکال کر اسلام اور صراط مستقیم کی روشنی میں لاتا تھا۔

کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور۔ (۱۴/۲)

کتاب ہم نے تیری طرف اتاردی ہے کہ تو لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں نکال لائے۔

اسی کی تلاوت کرتا، اسی کو سناتا، اسی کو لکھاتا، اسی کو یاد کراتا، اسی کو سکھاتا اور اور اسی پر عمل کر کے امت کے لیے نمونہ قائم کرتا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (۳۳/۲۲)

تمہارے لیے رسول اللہ کے اندر اچھا نمونہ ہے۔

چنانچہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح و طلاق، جنگ و صلح وغیرہ تقریباً جملہ اوامر و نواہی کتاب پر عمل کر کے طریقہ بتا دیا، جو امت میں نسلاً بعد نسلٍ متواتر متوارث چلا آ رہا ہے۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب تعامل امت جو تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ تمہارے نزدیک یقینی اور دینی ہے تو پھر حدیثوں کے دین ہونے میں کیا قباحت ہے۔ آخر وہی اعمال تو ہیں جو دفاتر حدیث میں مدون کیے گئے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دونوں ایک نہیں ہیں بلکہ تعامل اور حدیث میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ تعامل یقینی ہے اور حدیث ظنی ہے۔ تعامل احکام قرآن پر عمل کی صورت ہے اور حدیثیں اس سے دس گنی بلکہ سوگنی باتیں زیادہ شامل رکھتی ہیں اور قرآنی حدود سے آگے بڑھ کر زندگی کے ہر شعبہ میں انسانیت کو ایسے امور کی پابند بناتی ہیں جو صرف ہنگامی یا مقامی ہو سکتے ہیں، مثلاً قرآن نے وضع اور لباس میں انسان کو آزاد چھوڑا ہے اور اسلام جیسے عالم گیر فطرتی دین کو جو ہر ملک اور ہر قوم کو اپنے جھنڈے کے نیچے لانا چاہتا ہے ایسا ہی وسیع ہونا بھی چاہئے، مگر حدیثیں مسلمان کے لیے ایک مخصوص ہیئت اور وضع معین کرتی ہیں۔ انہوں نے بال بال تک جکڑ رکھا ہے کہ اس کو چھوڑو اور اس کو منڈاؤ۔ بعض جگہ وہ قرآن کے بالکل خلاف جاتی ہیں۔ جن کی وجہ سے علماء قطعی اور حکمی آیات کو منسوخ کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً اللہ نے مال دار مسلمان پر مرنے سے پہلے والدین اور اقرباء کے لئے وصیت فرض کی ہے

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔ (۲/۱۸۰)

تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ جائے اور وہ مال چھوڑے تو والدین اور اقرباء کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔ اہل تقویٰ پر یہ ایک حق ہے۔

مگر حدیث کہتی ہے:

لا وصیۃ لوارث

کسی وارث کے لیے وصیت نہیں۔

علماء نے اس ظنی حدیث کی وجہ سے وہ یقینی وصیت جو اللہ نے بہت سے عائلی مصالح کے لحاظ سے فرض کی ہے اور جس کو اہل تقویٰ پر ایک حق قرار دیا ہے۔ منسوخ کر ڈالی۔

حدیثوں کا تو یہ حال ہے کہ جو روایات قرآن کی تفسیر میں ہیں وہی خود بعض جگہ اس کے برخلاف ہیں۔ مثلاً

ولقد اتینا موسی تسع ایات بینات۔ (۱۷/۱۰۲)

ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں۔

اس کی تفسیر حدیث کی زبان سے سنئے:

''صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ سامنے سے دو یہودی گذرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا ''چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں۔ دوسرے نے کہا پیغمبر نہ کہو' سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہوگا) اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ کو نو آیتیں کون سی دی گئیں۔ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ' زنا نہ کرو' کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو' چوری نہ کرو' جادو نہ کرو' کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ' سود نہ کھاؤ' کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ' اور میدان جہاد سے نہ بھاگو' اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے اور خاص تمہارے لیے اے یہود یہ دسواں حکم ہے کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔ (نہ صرف دسواں بلکہ توریت کے احکام عشرہ کل کے کل یہود کے لیے تھے توریت دینے کے بعد حضرت موسیٰ کو اللہ نے حکم دیا وامر قومك یا خذو باحسنہا یعنی اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کو بہترین طریقہ سے لیں۔)

یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی' مسند احمد' نسائی' ابن ماجہ' ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے۔ ایک تفسیر بنی اسرائیل میں اور دوسری باب ''ما جاء نی قبلة الید والرجل'' اور دونوں جگہ کہا ہے کہ ''حدیث حسن صحیح'' (سیرۃ النبی مجلد سوم' طبع دوم ص ۴۳۱)

حضرت موسیٰ کی تسع آیات کی تفسیر توریت کے احکام تسعہ کے ساتھ جو اس حدیث میں کی گئی ہے' نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں بلکہ قرآن کی رو سے اس کا صحیح ہونا قطعاً محال ہے' کیوں کہ حضرت موسیٰ کو یہ نو نشانیاں اس وقت ملی تھیں' جب مدین سے مصر جاتے ہوئے اللہ نے ان کو رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا تھا اور اس وقت تک توریت نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔

ان دونوں باتوں کی تصریح قرآن میں موجود ہے۔ خود آیت مذکورہ

ولقد اتینا موسی تسع ایات بینات (فاسئل بنی اسرائیل) اذ جاء ھم فقال لہ فرعون انی لا ظنک یا موسی مسحورا۔ (۱۷/۱۰۲)

موسیٰ کو ہم نے کھلی کھلی نو نشانیاں دیں (تو بنی اسرائیل سے پوچھ لے) جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں خیال کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کیا گیا ہے۔

سے ثابت ہے کہ یہ نشانیاں لے کر حضرت موسیٰ فرعون ہی کے پاس گئے تھے۔ مزید تصریح سورۂ نمل میں ہے:

فی تسع ایات الی فرعون و قومہ

نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔

سورۂ اعراف میں جہاں حضرت موسیٰ کا قصہ مکمل بیان کیا گیا ہے۔ ان نشانیوں کی تفصیل کردی گئی ہے:

فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین و نزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنظرین (۷/۱۰۸)

موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا وہ کھلا ہوا اژدھا ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا۔

ولقد اخذنا ال فرعون بالسنین و نقص من الثمرات۔ (۷/۱۳۰)

آل فرعون کو ہم نے قحط اور پھلوں کی کمی میں گرفتار کیا۔

فارسلنا علیہم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ایات مفصلات۔ (۷/۱۳۳)

پھر ہم نے بھیجا طوفان' ٹڈی' چچڑیاں' مینڈک اور خون الگ الگ نشانیاں۔

اس تفصیل کے مطابق وہ نو نشانیاں جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھیں یہ ہوئیں:

عصا' ید بیضا' قحط' نقص' ثمر' طوفان' ٹڈی' جوں' مینڈک' خون۔

اس کے مدتوں بعد فرعونی ہلاک کیے جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیے ہوئے طور کی طرف پہنچتے ہیں' وہاں اللہ تعالیٰ ان کو توریت عطا کرتا ہے:

یا موسی انی صطفیتک علی الناس برسلتی وبکلامی فخذما اتیتک وکن من الشاکرین وکتبنا له فی الالواح من کل شئی موعظة و تفصیلا لکل شئی۔ (۷/۱۴۴۔۱۴۵)

اے موسیٰ! میں نے تجھ کو لوگوں پر اپنی پیغمبری اور کلام کے لیے چن لیا' جو میں تجھ کو دیتا ہوں لے اور شکر ادا کر اور ہم نے اس کے لیے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر شے کی تفصیل لکھ دی۔

یہ تمام تفصیلات اس قدر مصرح ہیں کہ ان میں نہ کسی شک کی گنجائش ہے نہ کسی تاویل کی' مگر پھر بھی ان کے خلاف یہ ''چار آنکھوں والی'' حدیث جو صحاح ستہ کی ہے بتلاتی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسع آیات کی تفسیر توریت کے احکام تسعہ کے ساتھ کی۔ کوئی عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے؟ چنانچہ بعض مفسرین نے باوجود حدیث مذکورہ کے بھی یہ تفسیر قبول نہیں کی۔ اسی پر یہ معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ چوں کہ ان یہودیوں نے خوش ہو کر آں حضرتؐ کے دست و پا کو بوسہ دیا تھا' اس لیے حدیث میں ایک باب ''قبلته الید والرجل'' کا اور اضافہ ہو جاتا ہے جس سے علماء کے ہاتھ پاؤں چومنے کا جواز نکالا جاتا ہے۔ اس روایت سے کئی باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ارباب صحاح ستہ نے جو شرطیں حدیث کی صحت کے لیے مقرر کی ہیں وہ کس حد تک اس کی ضمانت کرتی ہیں۔

(۲) ان ائمہ کے حسن و صحیح کہنے کی قدر و قیمت کیا ہے۔

(۳) جو لوگ ایسی حدیثوں پر ایمان رکھنے کو دین اور قرآن جیسے آسمانی نور اور جاودانی حق کے خالص دین ماننے کو الحاد و بے دینی قرار دیتے ہیں وہ کہاں تک دین کی حقیقت سے آشنا ہیں۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کی حفاظت کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے حکم دے رکھا تھا۔

لا تکتبوا عنی شیئا غیر القران

مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو۔

اگر بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن کا خطبہ ابوشاہ کو لکھوا دیا' یا کسی خاص صحابی کو لکھنے کی اجازت دے دی تو یہ مستثنیات میں شمار ہو گا۔ عام حکم یہی تھا کہ سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھا جائے اور یہی صحابہ کرامؓ نے سمجھا تھا۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب العلم میں ہے:

وفد زید بن ثابت علی معاویة فساله عن حدیث فامر انسانا ان یکتبه فقال له زید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امرنا ان لا نکتب من حدیثه فحاه۔

حضرت زید بن ثابت امیر معاویہؓ کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے ایک حدیث دریافت کی پھر ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس کو لکھ لے۔ زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ان کی حدیث نہ لکھیں۔ اس لیے اس کو مٹا دیا۔

اس سے علماء حدیث کی وہ توجیہ بھی غلط ہو جاتی ہے جو انہوں نے کی ہے کہ ممانعت کتابت حدیث کا حکم صرف اس لیے تھا کہ آیات کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائیں۔

بے شک روایات کو بیان کرنے کی اجازت حدیثوں سے نکلتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرمؐ روایت کو روایت ہی رکھنا چاہتے تھے اور دین یعنی قرآن کی طرح اس کو محفوظ بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد میں روایت سے بھی منع کر دیا۔ جب لوگوں کو دیکھا کہ اس میں اختلاف کرتے ہیں تو جمع کر کے فرمایا کہ آج تم اختلاف کرتے ہو، آئندہ لوگ اس سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو۔ ۱ (تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ترجمہ ابوبکر۔)

انہوں نے خود تقریباً پانچ سو حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی لکھ رکھا تھا، اس کو بھی آگ میں جلا دیا۔ ۲ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اور بھی زیادہ سختی برتی۔ اگر کوئی روایت کرتا تو درہ لے کر اس کے مارنے کو تیار ہو جاتے اور جب تک گواہ اور شاہد نہ لے لیتے نہ چھوڑتے۔ لکھنے کی مطلق اجازت نہ دیتے۔

عبداللہ بن علاء کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ سے کہا کہ مجھ کو حدیث لکھوائے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں حدیثیں زیادہ ہوگئی تھیں، انہوں نے منادی کرائی کہ لوگ حدیثیں ان کے پاس لائیں۔ جب لائے تو حکم دیا کہ ان کو جلا دو۔ پھر فرمایا کہ مثناۃ جیسے اہل کتاب کی مثناۃ۔ علاء کہتے ہیں کہ اس دن سے مجھے قاسم نے روک دیا کہ میں ایک حدیث بھی لکھوں۔ (طبقات ابن سعد، جزء خامس، ص ۱۴۰) ۳ (یہود نے انبیاء کی روایات کتاب میں جمع کی تھیں جس کا نام مثناۃ رکھا تھا۔)

حضرت عثمانؓ کے پاس محمد بن علی ایک نوشتہ لے گئے، جس میں نبی ﷺ کا وہ حکم لکھا ہوا تھا، جو زکوٰۃ کے بارے میں تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس سے معاف کرو۔ ۱ (توجیہ النظر ص ۱۶) حضرت علیؓ سے جب کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو اس سے حلف لیتے تھے۔ ۲ (توجیہ النظر ص ۱۱)۔

حضرت ابن عباسؓ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ''الوضوء مما مسۃ النار'' اور حضرت علی کی حدیث ''نہی عن المتعہ'' اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث قبول کرنے سے انکار کیا۔ ۳ (توجیہ النظر ص ۱۶)

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حدیث کو دین نہیں سمجھتے تھے، ورنہ قرآن کی طرح اس کی بھی حفاظت کرتے۔ بے شک احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین نے شہادت لینے کے بعد روایتیں قبول کی ہیں۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو عینی گواہ مل جاتے تھے جو شہادت دیتے تھے کہ ہم نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس کو سنا ہے، مگر عہد صحابہؓ کے بعد عینی شہادت کا ملنا ناممکن ہو گیا اور شہادت در شہادت عقلاً عرفاً یا قانوناً کسی لحاظ سے قابل سماعت نہیں۔ ایسی شہادت کی بنیاد پر آپ کی عدالت سے ایک پیسہ کا بھی فیصلہ اپنے حق میں نہیں لے سکتے۔

(۶) روایت کی صحت کا معیار ائمہ حدیث نے راویوں کی ثقاہت اور عدالت کو قرار دیا ہے۔ حدیث کے جانچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ان کے پاس یہی ہے۔ ارباب صحاح ستہ میں سے ہر ایک نے جو شرطیں رکھی ہیں، ان میں جو فرق مراتب ہے وہ رواۃ کی ثقاہت ہی کا ہے۔ امام بخاری صرف اول درجہ کے ثقہ راویوں کی روایت لیتے ہیں۔ ۱ (امام بخاری نے جب اپنی کتاب صحیح لکھنی شروع کی تو چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو ان کے پاس تھیں صرف ۷۲۷۵ شرط کے مطابق ملیں جو انہوں نے درج کیں۔ ان میں سے اگر مکررات نکال دی جائیں تو یہ تعداد چار ہزار سے بھی کم رہ جاتی ہے۔ (مقدمہ صحیح بخاری) امام مسلم کہیں کہیں درجہ دوم والوں کی بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ارباب سنن ان سے بھی کچھ نرم ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ثقاہت کو تولنے کی کون سی میزان ہے۔ کیا یہی کہ ثقہ لوگ ان کو ثقہ کہیں؟ پھر ان ثقہ کہنے

والوں کی ثقاہت کا سوال آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثقاہت یا عدالت خود ائمہ حدیث کی تعریف کے مطابق ایک باطنی وصف ہے۔ (عدالت محدثین کے نزدیک وہ ملکہ راسخہ ہے جو عقل، علم، دینداری اور تقویٰ سے پیدا ہو کر جھوٹ سے باز رکھے۔) جس کے اوپر سوائے ظن اور تخمین کے کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی، لہٰذا سارا دارومدار حدیث کا شروع سے آخر تک ظن پر ہے۔

رواۃ میں طبقہ اول صحابہ کرامؓ کا ہے۔ ائمہ حدیث نے یہ طے کر دیا ہے کہ جملہ صحابہ ثقہ ہیں۔ علامہ ابن صلاح کہتے ہیں:

للصحابة باسرهم خصيصة وهى ان لا يسال عن عدالة احدمنهم بل ذلك امر مفروغ عنه.

(مقدمہ ابن صلاح ص ۱۴۹)

جملہ صحابہ کی ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت کا سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ بلکہ یہ ایسا امر ہے کہ طے شدہ ہے۔

پھر اسی صفحہ میں ہے:

ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لا بس الفتن منهم كذلك.

تمام صحابہ کی تعدیل پر امت کا اجماع ہے۔ ان میں سے جو فتنوں میں شریک ہوئے وہ بھی ایسے ہی ہیں۔

صحابی کی تعریف بھی انہیں کی زبان سے سن لیجئے:

المعروف من طريقة اهل الحديث ان كل مسلم راى رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو من الصحابة.

طریقہ اہل حدیث کے مطابق مشہور یہی ہے کہ ہر مسلم جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ صحابی ہے (مقدمہ ابن صلاح ص ۱۴۸)

صحابہ کرامؓ کی عظمت و جلالت شان کی وجہ سے ہم اس اصول پر جو غیر صحیح، قرآن کے خلاف اور محض عقیدت مندی کا فیصلہ ہے بحث کرنا پسند نہیں کرتے، لیکن اس امر پر اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک طرف تو یہ فیاضی کہ ہر ایک صحابی کو عدالت اور ثقاہت کا پورا پورا حصہ دے دیا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ بخل کہ ان کی تعریف میں مومن بھی نہیں صرف مسلم کہا جاتا ہے، حالاں کہ اس عہد کے منافقین بھی جن کی بابت قرآن میں ہے:

ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم. (۹/۱۲)

اور کچھ لوگ مدینہ کے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں ان کو تم نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔

مسلمان ہی کہلاتے تھے اور رسول اللہ تک کو ان کے نفاق کا علم نہ تھا۔ نیز واقعہ ''افک'' میں جو لوگ شریک تھے، جن پر حد قذف پڑی۔ جن کی نسبت قرآن میں حکم دیا گیا ہے:

لا تقبلوا لهم شهادة ابداً (۲۴/۵)

نہ قبول کرو ان کی کوئی گواہی بھی۔

وہ بھی مسلمان ہی کہے جاتے تھے۔ علاوہ بریں ایک طرف تو یہ روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا:

لا ترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض.

میرے بعد پلٹ کر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

دوسری طرف جن لوگوں نے فتنوں میں پڑ کر باہمی لڑائیوں میں ایک دوسرے کا گلا کاٹا' ان کو بھی ابوبکر و عمر کے ساتھ ثقاہت کے پلہ میں ہم وزن رکھ دیا جاتا ہے۔

صحابہؓ کے بعد ہر طبقہ کے رواۃ ایک ایک کر کے جرح و تعدیل کے مسلخ میں لائے جاتے ہیں اور ان کی پوست کشی کی جاتی ہے۔ بہت سے کذاب، خبیث اور دجال وغیرہ قرار دیئے جاتے ہیں اور بہتوں پر مہر توثیق ثبت ہوتی ہے۔ پھر ان ثقاۃ میں سے بھی تر ایسے ہیں جو جرح کی تیغ سے زخمی نہ ہوں۔ ایک کو ایک اگر صادق کہتا ہے تو دوسرا اسی کو کاذب بناتا

ہے۔!(کوئی خوش قسمتی سے اگر بالکل بے داغ نکل گیا تو تدلیس کے بے پناہ تیروں سے بچنا مشکل تھا بڑے بڑے ائمہ مثلاً حسن بصری، مکحول شامی، سفیان ثوری، مالک بن انس اور دارقطنی وغیرہ اس کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ حافظ ابن مندہ نے تو امام بخاری و مسلم پر بھی وار کیا تھا، مگر علماء حدیث نے بیچ میں پڑ روک لیا۔(طبقات المدلسین ابن حجر) اور یہ سب کچھ محض ظن، نری تخمین ہے، اللہ نے فرمایا ہے:

قتل الخراصون۔ (۵۱/۱۰)

اٹکل دوڑانے والے مارے پڑے۔

آپ کہیں گے کہ شک کی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں، مگر منکرین کو شک کی بیماری نہیں ہے۔ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ دین کا راستہ ہی نہیں ہے جو آپ نے اختیار کیا۔ دین کو براہ راست اللہ اپنے نبی پر نازل کر دیتا ہے۔ اس علیم و حکیم نے اپنے بندوں کو اس بات کا محتاج نہیں چھوڑا ہے کہ عقل اور انسانیت کے خلاف پہلے وہ لاکھوں مردہ بزرگوں کو جرح و تعدیل کی بھٹی میں جلا کر کھرا کھوٹا الگ کریں۔!(مذہبی جماعتوں میں ہم خیالی بڑی چیز ہے۔ تعدیل میں زیادہ کارفرما یہی جذبہ تھا۔ ذرا بھی کوئی مخالف نکلا کہ مجروح ہوا، جرح و تعدیل کا منظر بھی ایک مضمون میں بسط کے ساتھ دکھلانے کے قابل ہے۔) پھر دین کا پتہ لگائیں۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے:

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام و یخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ و یھدیھم الی صراط مستقیم۔ (۵/۱۶)

لوگو! اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور کتاب مبین آ چکی۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے پیرو ہیں ان کو اللہ اس کے ذریعہ سے سلامتی کی راہ دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو تاریکی سے روشنی میں نکالتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

(۷) قرآن اتحاد پیدا کرتا ہے۔ اس کا پیغام ایک۔ اس کی راہ عمل ایک اور اس کی منزل مقصود ایک ہے۔ وہ کوئی فرقہ بنانے نہیں آیا، بلکہ اقوام عالم میں حق کو ذریعہ وحدت بنانا چاہتا ہے۔ اس نے جملہ انبیاء و رسل کی امتوں کو ایک ہی امت قرار دیا ہے:

ان ھذہ امتکم امة واحدة وانا ربکم فاتقون۔ (۲۳/۱۵۴)

یہ تم سب کی امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں مجھی کو پوجو۔

فرقہ بندی کو وہ کفر و ضلالت بلکہ شرک قرار دیتا ہے:

ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئی۔ (۶/۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا کر لیا اور گروہ گروہ ہو گئے، ان سے (اے رسولؐ) تجھ کو کوئی واسطہ نہیں۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءتھم البینات اولئک لھم عذاب عظیم۔

ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے نشانیوں کے آ جانے کے بعد تفریق ڈالی۔ وہ لوگ تو وہ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون۔ (۳۰/۳۲)

تم مشرک نہ بنو، یعنی وہ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے اور ہر جماعت اسی میں مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔

یہ حتمی ہے کہ مسلمانوں میں جو جو فرقے پیدا ہوئے۔ ان کی بنیادیں خاص خاص روایتوں ہی پر تھیں اور آج تک ہیں۔ جملہ مذاہب اسلامی کی بنیادی سندیں جو روایات ہیں، گنائی جا سکتی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر فرقہائے اسلامی کے مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں گنائی بھی ہیں۔ علامہ ابن جوزی کے بیان کے مطابق بہت سے فرقوں نے حدیثیں بنا بنا کر اپنے اصول مضبوط کیے ہیں۔ اس لیے روایات تفرق و

تشتت کا موجب ہوئیں جن سے امت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ اگر قرآن پر جملہ اختلافات کا فیصلہ رکھا جاتا تو یقیناً کوئی تفریق نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر چند کہ انسانوں میں اختلاف ہمیشہ رہے گا۔

لا یزالون مختلفین الا من رحم ربک۔ (11/119)

ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر تیرا رب مہربانی کرے۔

مگر ہمارا مقصد جملہ بنی نوع انسان سے نہیں بلکہ ''من رحم ربک''، یعنی اہل حق اور مسلمانوں سے ہے کہ ان میں وحدت قائم رہتی۔

کہا جا سکتا ہے کہ حدیثوں کے دین نہ ماننے پر بھی فہم قرآن میں اختلافات ممکن ہیں، اس لیے پھر بھی فرقے پیدا ہو سکتے ہیں۔ بے شک فہم معانی میں اختلافات ہوں گے، لیکن ان کے اوپر فرقہ کی تعمیر نہ ہو سکے گی، کیوں کہ قرآن کی حقیقت ایک، تعلیم ایک، مفہوم ایک اور غرض اور منتہائے نظر ایک ہے۔ جو شخص کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم کرے گا علمائے قرآن کے مسلسل غور و فکر کے بعد اگر وہ صحیح ثابت ہو گی تو تسلیم کر لی جائے گی، ورنہ مسترد بجنسہٖ اسی طرح جس طرح اس عالم مادی میں علماء طبیعی وغیرہ الگ الگ نظریے قائم کرتے ہیں، پھر ایک مدت تک غور و فکر کرتے کرتے ان پر اس کی صحت یا غلطی نمایاں ہو جاتی ہے۔ قرآن میں کامل صلاحیت اس بات کی موجود ہے کہ جملہ اختلافات کا قطعی فیصلہ کر سکے، وہ کتاب ''مفصل''، اور ''تبیاناً لکل شئی'' ہے۔

یہ تو علمی پہلو ہے اور عملی پہلو سے تو قرآنی جمہوریت اس قدر وسیع اور روشن ہے کہ اس میں سوائے وحدت کے تفریق ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلام کا ابتدائی عہد یعنی قرن اول جس میں نہ حدیثیں مدون ہوئی تھیں نہ انہوں نے دینی حیثیت حاصل کی تھی، خالص عمل بالقرآن کا دور تھا، جس نے ہر لحاظ سے اس کو خیر القرون بنا دیا تھا۔ تفرقے اسی وقت سے پیدا ہوئے، جب سے روایت اور شخصیت پرستی آئی۔

کہا جاتا ہے کہ حدیثوں کو تمام امت نے شرق سے غرب تک دینی حجت تسلیم کر لیا۔ پھر اس میں تمہارے لیے بحث کی گنجائش کہاں رہی۔ جواب یہ ہے کہ تمہارے نزدیک چار دلیلیں ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔ اور اسی ترتیب سے ان کے مدارج ہیں۔ کیا تم حدیث کو جو بلند تر حجت ہے، اجماع سے جو فروتر حجت ہے ثابت کرنا چاہتے ہو، یعنی اپنے مشعل کو چراغ کی روشنی سے دکھانا چاہتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو تمہارا مشعل تاریک ہے۔ اجماع سارے عالم کے نزدیک صرف ایک ہنگامی چیز ہے۔ یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے اس کو دینی حجت اور دائمی حق بنا رکھا ہے۔

ان دلائل کے علاوہ منکرین حدیث نے ان مضر اثرات اور نتائج پر بھی بسط کے ساتھ بحثیں کی ہیں جو روایت پرستی سے پیدا ہوئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ انہوں نے حدیث کی بے اعتباری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر میں نے اس مضمون میں ان باتوں کو قصداً چھوڑ دیا کیوں کہ موضوع بحث یعنی حدیثوں کے دینی حجت ہونے یا نہ ہونے سے ان کو زیادہ تعلق نہیں۔

سانحہء ارتحال

عبدالستار خاں نیازی صاحب گذشتہ دنوں وفات پا گئے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ مرحوم نے تحریک پاکستان کے دنوں میں ایک فعال کارکن کے طور پر کام کیا۔ انہیں دنوں مجلّہ طلوع اسلام نے بھی علامہ اقبال اور قائداعظم علیہم الرحمتہ کے ایماء پر حصول پاکستان کی جدوجہد میں دینی محاذ سنبھالا ہوا تھا، 1940ء کے عشرے میں نیازی صاحب کے مقالات طلوع اسلام کی زینت بنتے رہے۔ ادارہ طلوع اسلام مرحوم کے اعزہ و اقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ مجلّہ طلوع اسلام کے آئندہ شمارے میں نیازی صاحب مرحوم کا ۱۹۴۰ء میں شائع ہونے والا ایک مقالہ نذر قارئین کیا جائے گا۔ (طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب)

قرآن
اور حدیث کی صحیح پوزیشن

قرآن کی حیثیت

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جن چیزوں پر کفر اور اسلام کا مدار ہے اور جن امور پر انسان کی نجات موقوف ہے انہیں بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے وہ سب قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور قرآن میں بھی ان کو کچھ اشارۃً وکنایۃً بیان نہیں کیا گیا بلکہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کو کھول دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان علینا للھدی۔ (رسائل ومسائل ص ۶۷)

دین کے اصول

باقی رہے دین کے اصول تو وہ سب کے سب کتاب اللہ میں موجود ہیں جو روایات سے بالاتر اور تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں' (تفہیمات حصہ اول ص ۳۳۹) حرام وحلال اور جائز وناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لئے قانون اور شرع تجویز کرنا۔ یہ سب خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے۔ (تفہیم القرآن ص ۵۹۸) اس اصل کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جو ابوداؤد نے سلمانؓ فارسی سے بدیں الفاظ نقل کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ''۔

حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا۔ رہیں وہ چیزیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے تو وہ معاف ہیں۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۳۸۹)

جزئیات کا تعین

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدود افلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض تم پر عائد کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے۔ بغیر اس

کے کہ اس سے بھول لاحق ہوئی ہے۔لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔(تفہیم القرآن ص ۵۰۷)

ان دونوں حدیثوں میں سے ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے۔جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفاصیل نہیں بتائی یا جو احکام بر سبیل اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے ان میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی۔تفصیلات بتانی چاہئے تھیں مگر نہ بتائیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لئے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔اب جو شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال نکال کر تفصیلات اور تعینات اور تقیدات بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے' استنباط سے کسی نہ کسی طرح مجمل کو مفصل مطلق کو مقید معین کو غیر معین بنا کر ہی چھوڑتا ہے۔وہ درحقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے (یہودیوں نے ایسا ہی کیا) جس کے نقش قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔(تفہیم القرآن ص ۵۰۸) آپ کی تشفی کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ قرآن مجید اپنے مدعا کو بغیر کسی ابہام کے صاف صاف بیان کرتا ہے اور اس نے کسی ایسی حقیقت کو جس کا جاننا آدمی کی ہدایت کے لئے ضروری تھا واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔(ترجمان القرآن بابت اپریل و مئی ۱۹۵۲ء ص ۱۰۲)

فہم قرآن کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں

قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔(تنقیحات ص ۱۴۴) قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں کہ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اور طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔(تنقیحات ص ۱۹۳)

جزئیات میں تبدیلی ہو سکتی ہے

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔لیکن اس کے باوجود بہ کثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔جو حالات عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے۔لازم نہیں کہ بعینہ وہی حالات ہر زمانہ اور ہر ملک کے ہوں۔لہٰذا احکام اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کو ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح اور حکم کے لحاظ سے ان کے جزئیات میں کسی قسم کا ردو بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے۔جس کو روح اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔پس معلوم ہوا کہ جزئیات میں دلالۃ النص اور اشارۃ النص تو درکنار صراحۃ النص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی۔اور تفقہ کا اقتضا یہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھے اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیر احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا رہے۔جو شارع کے اصول تشریح پر مبنی اور اس کے طرز عمل سے اقرب ہو۔

(تفہیمات حصہ دوم ص ۳۲۷)

عہد صحابہ میں جزئیات میں تغیر و تبدل

زرعی قوانین مدون کرنے کے لئے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مزاج شریعت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ یہ بات صرف قرآن مجید کی تعلیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تدبر کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان دونوں چیزوں پر جس شخص کی نظر وسیع اور عمیق ہو گی وہ شریعت کا مزاج شناس ہو جائے گا اور ہر موقع پر اس کی بصیرت اس کو بتا دے گی کہ مختلف طریقوں میں سے کون سا طریقہ اس شریعت کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے اور کس طریقہ کو اختیار کرنے سے اس کے مزاج میں بے اعتدالی پیدا ہو جائے گی۔ اس بصیرت کے ساتھ احکام میں جو تغیر و تبدل پیدا کیا جائے گا نہ صرف مناسب اور معتدل ہو گا بلکہ اپنے محل خاص میں شارع کے اصل مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ اتنا ہی بجا ہو گا جتنا کہ خود شارع کا حکم ہوتا۔ اس کی مثال میں بہت سے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت عمر کا یہ حکم کہ دوران جنگ میں کسی مسلمان پر حد نہ جاری کی جائے اور جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا ابو محجن ثقفی کو شرب خمر پر معاف کر دینا اور حضرت عمر کا یہ فیصلہ کہ قحط کے زمانہ میں کسی سارق کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ یہ امور اگرچہ بظاہر شرع کے احکام کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن جو شخص شریعت کا مزاج داں ہے، وہ جانتا ہے کہ ایسے خاص حالات میں حکم عام کے امتثال کو چھوڑ دینا مقصود شارع کے عین مطابق ہے۔ اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے جو حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے ساتھ پیش آیا۔ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ حاطب کے غلاموں نے اس کا اونٹ چرا لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پہلے تو ان کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دے دیا۔ پھر فوراً ہی آپ کو تنبہ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ تم نے ان غریبوں سے کام لیا۔ اور ان کو بھوکا مار دیا اور اس حال کو پہنچایا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص حرام چیز بھی کھا لے، تو اس کے لئے جائز ہو جائے۔ یہ کہہ کر آپ نے ان غلاموں کو معاف کر دیا اور ان کے مالک سے اونٹ والے کو تاوان دلوایا۔ اسی طرح تطلیقات ثلاثہ کے مسئلہ میں حضرت عمرؓ نے جو حکم صادر فرمایا۔ وہ عہد رسالت کے عمل درآمد سے مختلف تھا۔ مگر چونکہ احکام میں یہ تمام تغیرات شریعت کے مزاج کو سمجھ کر کئے گئے تھے۔ اس لئے ان کو کوئی نامناسب نہیں کہہ سکتا۔ بہ خلاف اس کے جو تغیر اس فہم اور بصیرت کے بغیر کیا جاتا ہے وہ مزاج شرع میں بے اعتدالی پیدا کرتا ہے اور مفضی الی الفساد ہو جاتا ہے۔

اتباع رسول کا مفہوم

مدینہ طیبہ سے مماثلت پیدا کرنے کا مفہوم کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم ظاہر شکل میں مماثلت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور دنیا اس وقت تمدن کے جس مرتبہ پر ہے اس سے رجعت کر کے اس تمدنی مرتبہ پر واپس جانے کے خواہش مند ہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھا۔ اتباع رسول کا یہ مفہوم ہی سرے سے غلط ہے اور اکثر دیندار لوگ غلطی سے اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلف صالحین کی پیروی اس کا نام ہے کہ تمدن و حضارت کی جو حالت ان کے عہد میں تھی ہم اس کو بالکل متحجر (Foscilise) صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی

دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں ان سب سے آنکھیں بند کر کے ہم اپنے دماغ اور اپنی زندگی کے اردگرد ایک حصار کھینچ لیں، جس کی سرحد میں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔ اتباع کا یہ تصور جو دور انحطاط کی کئی صدیوں سے دیندار مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط ہو رہا ہے۔ درحقیقت روح اسلام سے بالکل منافی ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثار قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں۔ وہ ہمیں رہبانیت اور قدامت پرستی نہیں سکھاتا۔ اس کا مقصد دنیا میں ایک ایسی قوم پیدا کرنا نہیں جو تغیر وارتقاء کو روکنے کی کوشش کرتی رہے بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جو تغیر وارتقاء کو غلط راستوں سے پھیر کر صحیح راستوں پر چلانے کی کوشش کرے۔ وہ ہم کو قالب نہیں دیتا بلکہ روح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمان و مکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں، ان سب میں یہی روح بھرتے چلے جائیں۔ (نشان راہ ص ۵۵)

اتباع رسول

اب اس امر کی تحقیق کیجئے کہ نبی کی اطاعت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے اور جس پر دین کا مدار ہے۔ یہ کس حیثیت سے ہے؟ یہ اطاعت اس حیثیت سے ہرگز نہیں کہ نبی وہ خاص شخص مثلاً ابن عمر یا ابن مریم یا ابن عبداللہ ہے۔ اور یہ شخص خاص ہونے کی بناء پر اس کو حکم دینے اور منع کرنے کا، حلال کرنے اور حرام ٹھہرانے کا ذاتی حق حاصل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے بار بار اس حقیقت کا اظہار کراتا ہے کہ وہ اطاعت جو مومن پر فرض کی گئی ہے جو اصل ایمان ہے اور جس سے کسی مومن کو سرتابی کیا معنی یک سر مو انحراف کا بھی حق نہیں وہ دراصل نبی بہ حیثیت انسان کے اطاعت نہیں ہے بلکہ نبی بحیثیت نبی کی اطاعت ہے۔ اس علم، اس ہدایت اس حکم اور اس قانون کی اطاعت ہے جسے اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچاتا ہے۔ (تفہیمات جلد اول ص ۸۹۔۹۲)

سنت کا مفہوم

دراصل سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے۔ تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جن کو جاری کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں کی پیروی کے لئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا، یہ عملی صورتیں کچھ تو حضورؐ کے شخصی مزاج اور طبیعت پر مبنی تھیں کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے اور کچھ اس زمانہ کے حالات پر جس میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اشخاص اور تمام اقوام اور تمام لوگوں کے لئے سنت بنا دینا مقصود نہ تھا۔

تحریف دین

سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے۔

لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے دراصل سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کونسا جزو سنت ہے اور کونسا جزو عادت' بغیر اس کے یہ ممکن نہیں کہ آدمی دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔ (رسائل و مسائل ص ۳۱۰) نہ شرائع الٰہیہ اس غرض کے لئے آیا کرتی ہیں کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانہ کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنا دیں۔ سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاح شرعی میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے لینا من جملہ ان بدعات کے ہے جس سے نظام دین میں تحریف واقع ہوتی ہے۔ (رسائل و مسائل ص ۳۱۴) اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا (یعنی رسم و رواج کو) اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت ہے اور ایک خطرناک تحریف دین ہے جس کے برے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔ (رسائل و مسائل ص ۳۰۸)

حدیث اور قرآن کا فرق

قرآن کے کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی انسان کے دو اس قدر مختلف اسٹائل کبھی نہیں ہو سکتے۔ یہ فرق صرف اس زمانہ میں واضح نہیں تھا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے۔ بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں ان کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

احادیث سے یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا

احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین' اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس خطرے میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ ان سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہو انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جائے۔ ایسے امور کی تو نوعیت ہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صاف صاف اپنی کتاب میں بیان فرمائے۔ اللہ کا رسول انہیں اپنے پیغمبرانہ مشن کا اصل کام سمجھتے ہوئے ان کی تبلیغ عام کرے اور وہ بالکل غیر مشتبہ طریقے سے ہر مسلمان تک پہنچائے گئے ہوں۔ (رسائل و مسائل ص ۶۷) قول رسول اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں اور نہ ان روایات کو استناد کے لحاظ سے آیات قرآن کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیات قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں۔ برخلاف اس کے روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول وفعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے' وہ واقعی

حضورؐ کا ہے یا نہیں۔ (رسائل و مسائل ص ۲۷۰) اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ (رسائل و مسائل ص ۲۹۰) اس باب میں اختلاف کی بھی کافی گنجائش ہے کیونکہ ایک شخص کا ذوق اور اس کی بصیرت لازماً دوسرے شخص کے ذوق اور بصیرت سے بالکل مطابق نہیں ہو سکتی اگرچہ ماخذ دونوں کا ایک ہی ہو۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ صرف وہی چیز شرعی ہے جس کو میری بصیرت شرعی کہہ رہی ہے اور دوسرے شخص کی بصیرت جس کو شرعی کہتی ہے وہ قطعاً و یقیناً غلط ہے۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۳۳۱) کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے۔ اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے۔ پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کا ایسا عمل ہو سکتا تھا یا نہیں؟ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۰۲)

احادیث پر بالکلیہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا

ہم اس سے پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر کئی مرتبہ کر چکے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرت رسول کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیت تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر بہ حیثیت مجموعی شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج سے اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی رد و قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین ذات نبوی کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے، وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں کون سا قول اور کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنت نبوی سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی۔ ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح، روح محمدیؐ میں گم اور اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا مزاج اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اس طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو لے لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی

ہے۔ وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔

احادیث دجال قیاسات ہیں

ان امور (احادیث دجال) کے متعلق جو باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بناء پر نہیں فرمائی تھیں بلکہ اپنے گمان کی بناء پر فرمائی تھیں اور آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف آتا ہو۔ یا جس پر ایمان لانے کے لئے ہم مکلّف کئے گئے ہیں۔ (رسائل ومسائل ص ۵۵۔۵۶)

احادیث کے اختلاف کی وجہ

محدثین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک ایک حدیث کو چھانٹ کر وہ بتا چکے ہیں کہ کون کس حد تک قابل اعتبار ہے اور کون کس حد تک ناقابل اعتبار۔ اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کردیئے ہیں انہی کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور حجیت' کا مرتبہ دیں مثلاً جو قوی الاسناد ہے اس کے مقابلہ میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں۔ جسے وہ صحیح قرار دے گئے ہیں اسے صحیح تسلیم کریں اور جس کی صحت میں وہ قدح کر گئے ہیں اس سے بالکل استناد نہ کریں۔ ان کے معروف کو معروف اور ان کے منکر کو منکر مانیں۔ رواۃ کو عدل اور ضبط اور ثقاہت کے متعلق جن جن آراء کا وہ اظہار کر گئے ہیں' ان پر گویا ایمان لے آئیں۔ ان کی نگاہ میں احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کریں۔ مثلاً مشہور کو شاذ پر' مرفوع کو مرسل پر اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے یک سرمو تجاوز نہ کریں۔ یہی وہ مسلک ہے جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت یعنی دوسری انتہا کی طرف دھکیل دیا ہے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۱۸)

محدثین پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جاسکتا

محدثین رحمہم اللہ کی خدمت مسلم' یہ بھی مسلم کہ نقدِ حدیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیتہً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی' انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے۔ اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے؟ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کا ظن غالب ہے۔ مزید برآں یہ ظن غالب جس بناء پر ان کو حاصل ہوتا تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ کہ بلحاظ درایت۔ ان کا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا' فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا۔ اس لئے فقیہانہ نقطہ نظر سے رائے قائم کرنے میں وہ فقہائے مجتہدین کی بہ نسبت کمزور تھے۔ پس ان کے کمال کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔

ایک بلحاظ اسناد دوسرے بلحاظ تفقہ۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۱۹)

اسماء الرجال میں غلطیوں کے احتمالات ہیں

اس مطلب کی توضیح کے لئے ہم ان دونوں حیثیتوں کے نقائص پر تھوڑا سا کلام کریں گے۔ کسی روایت کو جانچنے میں سب سے پہلے جس چیز کی تحقیق کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ روایت جن لوگوں کے واسطے سے آئی ہے وہ کیسے لوگ ہیں؟ اس سلسلہ میں متعدد حیثیات سے اس کی جانچ کی جاتی ہے۔ وہ جھوٹا تو نہیں ہے؟ روایتیں بیان کرنے میں غیر محتاط تو نہیں؟ فاسق اور بدعقیدہ تو نہیں؟ وہمی یا ضعیف الحفظ تو نہیں؟ مجہول الحال ہے یا معروف الحال؟ ان تمام حیثیات سے رواۃ کی جانچ پڑتال کر کے محدثین کرام نے اسماء الرجال کا ذخیرہ فراہم کیا ہے جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے۔ مگر اس میں کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ اول تو رواۃ کی سیرت اور ان کے حافظہ اور ان کی دوسری باطنی خصوصیات کے متعلق صحیح علم ہونا مشکل، دوسرے خود وہ لوگ جو ان کے متعلق رائے قائم کرنے والے تھے انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھے۔ نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے جذبات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے یہ امکان محض امکان عقلی نہیں ہے بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان فعل میں آ گیا ہے۔ (تفہیمات ص ۳۱۹)

محدثین کی چوٹیں اور فقرہ بازیاں

حماد جیسے بزرگ تمام علمائے حجاز کے متعلق رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم نہیں تمہارے بچے بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ عطا اور طاؤس اور مجاہد جیسے فضلاء کے حق میں ان کی یہی رائے ہے، یہ حماد کون ہیں؟ امام ابوحنیفہ کے استاد اور ابراہیم النخعی کے جانشین۔ امام زہری کو دیکھئے اپنے زمانہ کے اہل مکہ پر ریمارک کرتے ہیں۔ ما رایت قوماً انقض لعری الاسلام من اهل مكة حالانکہ اس وقت جلیل القدر علماء وصلحاء سے خالی نہ تھا۔ شعبی اور ابراہیم النخعی دونوں بڑے درجہ کے لوگ ہیں مگر ایک دوسرے پر کس طرح چوٹ کرتے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ ابراہیم النخعی رات کو ہم سے مسائل پوچھتا ہے اور صبح کو لوگوں کے سامنے اپنی طرف سے بیان کرتا ہے۔ ابراہیم النخعی کہتے ہیں کہ وہ کذاب مسروق سے روایت کرتا ہے۔ حالانکہ مسروق سے وہ ملا تک نہیں۔ ضحاک کو دیکھئے ایک مرتبہ اپنی بات کی پچ میں آ کر صحابہ کرامؓ کے متعلق کہہ گئے کہ ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔'' سعید بن جبیر جیسے محتاط بزرگ ایک مسئلہ میں شعبی پر جھوٹ کا الزام رکھتے ہیں اور عکرمہ کے حق میں اپنے غلام سے کہتے ہیں کہ لا تکذب علی کما کذب عکرمہ علی ابن عباس'' امام مالک کی جلالۃ شان دیکھئے اور محمد بن اسحاق جیسے شخص کے حق میں ان کا یہ فرمانا دیکھئے ذالک دجال الدجاجله'' اس سے بڑھ کر عجیب یہ...... کہ وہ تمام علماء عراق پر سخت طعن کرتے ہیں اور ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ ''انزلوا هم منزلة اهل الكتاب لا تصدقوا هم ولا تكذبوا هم'' امام ابوحنیفہ کس قدر جلیل القدر اور محتاط فقیہ ہیں اعمش کے حق میں فرماتے ہیں کہ اس نے نہ کبھی رمضان کا روزہ رکھا۔ نہ غسل جنابت کیا'' وجہ صرف یہ تھی کہ اعمش ''الماء من الماء''

اور حذیفہ کی حدیث کے متعلق عمل کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کس پایہ کے ثقہ بزرگ ہیں۔ ایک مرتبہ ان پر بھی ضد نے غلبہ کیا اور امام مالک کے حق میں ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ ''میں اس کو عالم نہیں سمجھتا۔'' یحییٰ بن معین نے تو بڑے بڑے ثقات پر چوٹیں کی ہیں' زہری' اوزاعی' ابوعثمان الہندی' طاؤس غرض اس عہد کے متعدد بڑے بڑے لوگوں پر طعن کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ امام شافعی تک کے حق میں انہوں نے کہا کہ ''لیس بثقة'' (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۰)

صحابہؓ بھی بشری کمزوریوں کا شکار تھے

ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے۔ (معاذ اللہ۔ طلوع اسلام) ابن عمر نے سنا کہ ابوہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ فرمانے لگے ابوہریرہؓ جھوٹے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر انس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول کو کیا جانیں وہ تو اس زمانہ میں بچے تھے''۔ حضرت حسن بن علی سے ایک مرتبہ ''وشاھد و مشھود'' کے معنی پوچھے۔ انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی عرض کیا گیا کہ ابن عمر اور ابن الزبیر تو ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا دونوں جھوٹے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دے دیا۔ عبادہ بن الصامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگا دیا۔ حالانکہ وہ بدری صحابی ہیں۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۱)

بشری غلطیاں

اس قسم کی مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسماء الرجال کا سارا علم غلط ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن حضرات نے رجال کی جرح وتعدیل کی ہے وہ بھی تو آخر انسان تھے۔ بشری کمزوریاں ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھیں۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔ پھر ایک ایک راوی کے حافظہ اور اس کی نیک نیتی اور صحت ضبط وغیرہ کا حال بالکل صحیح معلوم کرنا تو اور بھی مشکل ہے اور ان سب سے زیادہ مشکل یہ تحقیق کرنا ہے کہ ہر راوی نے ہر روایت کے بیان میں ان تمام جزئیات کو ملحوظ بھی رکھا ہے یا نہیں جو فقیہانہ نقطہ نظر سے استنباط مسائل میں اہمیت رکھتی ہیں۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۰)

راویوں سے غلطیاں ہو جایا کرتی تھیں

یہ تو فن رجال کا حال ہے اس کے بعد دوسری اہم چیز سلسلہ اسناد ہے۔ محدثین نے ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے...... آیا وہ اس کا ہم عصر تھا یا نہیں۔ ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا تو اس نے یہ خالص حدیث خود اسی سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق انہوں نے اس حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے مگر لازم نہیں کہ ہر ہر روایت میں یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال

راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا مفصل یا منقطع ہیں اور اس بناء پر پایہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۲)

فقہا نے حدیث کے خلاف فتوے دیئے

امام ابو حنیفہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنفیہ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالک کا ہے۔ باوجودیکہ اخباری نقطہ نظر ان پر زیادہ غالب ہے۔ مگر پھر بھی ان کے تفقہ نے بہت سے مسائل پر ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتوے دینے پر مجبور کیا جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی فقہ سے تقریباً ستر مسئلے اس نوعیت کے نکالے ہیں۔ امام شافعی کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہیں۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۳)

حاصل بحث

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیتہً صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنت نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۲)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طلوع اسلام:

یہ مضمون مولانا مودودی صاحب کی تحریروں سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں تمام الفاظ انہی کے ہیں بجز ان کے جو خطوط وحدانی میں ہیں...... حدیث کے متعلق بعینہ یہی مسلک طلوع اسلام کا ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ وہ کسی ایک فرد کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ جس بات کو اس کی نگہ جوہر شناس سنت رسول قرار دیدے اس کی اتباع ساری امت پر لازم قرار پا جائے اس کا کہنا یہ ہے کہ یہ حق صرف امت کے قرآنی نظام کو حاصل ہے کہ وہ روایات کے اس ذخیرہ کو چھان پھٹک کر دیکھے کہ اس میں کون سی چیز صحیح ہو سکتی ہے اور کون کون سی جزئیات ایسی ہیں کہ جن میں کسی تغیر وتبدل کی ضرورت نہیں۔

کراچی میں
طلوع اسلام ٹرسٹ
کی مطبوعات
محترم آصف جلیل (فون نمبر 5801701) کے ہاں بھی دستیاب ہیں
گھر تک پہنچانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمت اللہ طارق، ملتان

حقیقتوں کے کھوجی امام ابوحنیفہ

علم و دانش، فہم و فرزانگی کا نام ابوحنیفہ (۷۶۷م) ہے آپ نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی کہ دین قرآن میں ہے اور قرآن اپنے اعلان کے مطابق دین کو مکمل کر چکا ہے اور اس کی جہاں تشریح و تفہیم ہو گی وہ فہم انسانی کی مناسبت سے ہو گی اور اسے ''تکمیل'' سے موسوم نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح ان کے نزدیک عقل کے ارتقائی منازل کے مطابق تفہیم کے زاویئے مختلف تو ہو سکتے ہیں ''مرتقی'' نہیں کہلا سکتے دوسرے لفظوں میں اپنی ارتقائی منزلیں طے کر کے ''مرتقی'' اس وقت ہو چکا تھا جب وحی الٰہی نے آخری مرتبہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔۔ کہہ کر وحی اور نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع کر دیا تھا لہٰذا ابوحنیفہ کے نزدیک دین کی تفہیم کو۔۔ دین کی تکمیل نہیں کہا جا سکتا۔۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تفہیم کے ذرائع۔۔ عقل و دانش اور فرزانگی کو۔۔ اساس ٹھہرا کر ہی دفاع قرآن کے لئے اپنی سمت سفر کا تعین کر دیا تھا۔ امام شافعی کی کتاب ''الام'' میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

(جو روایت قرآن کے خلاف ہو وہ فرمان رسولؐ نہیں ہو سکتی۔)

(ضحیٰ الاسلام طبع مصر جلد ۲/۱۹۳ و ۱۹۵)

مثلاً۔۔ حدیث میں ہے کہ۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو ازواج مطہرات کے مابین قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اسے ہمراہ بنا لیتے۔۔ اس حدیث کو امام ابوحنیفہ قمار (جوا) سے موسوم کرتے تھے جبکہ پیغمبر جوا نہیں کھیلتے۔

☆ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھڑ سوار کے دو اور پیادہ سپاہی کا ایک حصہ متعین فرماتے تھے۔۔ امام ابوحنیفہ کہتے تھے کہ میں ایک چوپایہ کا حصہ ایک مومن سے زیادہ ہرگز نہیں سمجھتا۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب تک خریدار اور فروخت کنندہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے بیع توڑنے کا ہر فریق کو اختیار ہے۔۔ امام ابوحنیفہ اسے نہیں مانتے اور کہتے تھے۔۔ تو کیا خواہ دونوں ایک ہی جہاز میں ہوں خواہ ایک ہی جیل میں ہوں یا ایک ساتھ ہی سفر کر رہے ہوں یعنی ان صورتوں میں وہ علیحدہ نہیں ہو پاتے تب بھی بیع توڑنے کا اختیار نہ ہو گا اور بیع پختہ ہی شمار ہو گی۔

☆ روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل ڈالا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاتل یہودی کا سر دو پتھروں میں دے کر کچل دیا۔۔ امام ابوحنیفہ نے کہا یہ ہذیان ہے اور سزا غیر فطری ہے کیونکہ سزا بالمثل یعنی کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ دانت کے بدلے دانت۔ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دینا ضروری نہیں۔۔ یہودی چونکہ شدت پسند تھے نارمل سزاؤں کو خاطر میں نہ لاتے تھے لہٰذا فرمایا و کتبنا علیھم فیھا۔

ہم نے سزا بالشل کے احکام دیتے وقت تورات ہی میں ان پر واضح کر دیا تھا کہ مذکورہ جرائم کی سزا بالشل ہی ہوگی (مائدہ ۳۹) تاہم معاف کر دینے پر پابندی نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام میں سزا بالشل نہیں ہے یہاں اثبات جرم کے بعد پنچائت (جرگہ) یا منصف مجاز (عدلیہ) کی صوابدید سے طے ہو سکتی ہے۔ جہاں تک قصاص کا تعلق ہے تو قرآن اسے انسانی بقاء کا ضامن قرار دیتا ہے اور وہ قرآن ہی کا حکم ہے وفی القصاص حیاۃ (بقرہ ۱۷۹) تاہم یہ چونکہ انتہائی جرم کی انتہائی سزا ہے لہٰذا اسے بھی مرحلہ وار نافذ کرنے کا حکم ہے کہ ایک انسان تو مارا گیا اب دوسرے کی جان بچائی جا سکتی ہے تو بچانی چاہئے۔ فرمایا اگر (۱) ورثاء معاف کر دیں تو یہ سب سے بہتر ہے (۲) یا پھر خوں بہا پر انہیں راضی کر لیا جائے (۳) تب بھی اگر کام نہ بنے تو اب سنگین جرم کی سزا بھی سنگین ہوگی۔

قصاص کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مجرم کا اس حد تک پیچھا کیا جائے کہ مقتول کا حق تلف نہ ہونے پائے۔ اس کی دوسری تعریف یہ بھی ہے کہ قاتل اور مقتول میں نسلی، صنفی اور عقائدی امتیاز نہ برتا جائے لیکن میرے سنی بھائی دوسری تعریف کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ

مسلمان قاتل کو غیر مسلم مقتول کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا (نیل المرام طبع مصر ۱۹۲۹ء ص ۷ اسطر ۱۳)

اور کہ۔۔ بان الذکر لا یقتل بالانثی۔ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا (تفسیرات الاحمدیہ طبع ۱۹۰۴) خاریطوف جازان (سابقہ روس) ص ۷ اسطر ۲۲ تا ۲۷)

جس طرح قصاص میں عنصری (مرد عنصر اعلیٰ ہے اور عورت عنصر ادنیٰ) جنسی، نسلی اور گروہی امتیاز کو روا رکھا گیا ہے۔ دیت میں بھی اسی امتیاز کو ابھارا گیا ہے مثلاً مرد مقتول کی دیت ایک لاکھ ہے تو عورت کی دیت پچاس ہزار ہوگی بلکہ بعض نے مرد کی قاتل عورت ہو تو اضافی دیت کی بات بھی کی ہے مثلاً ایک لاکھ پچاس ہزار روپے۔ اس طرح غیر مسلم اور لونڈی و غلام جو کہ مسلم معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی دیت بھی نصف ہے (حوالہ کیلئے مذکورہ کتابیں دستیاب ہیں کسی بھی مذہبی درسگاہ میں جا کر دیکھ سکتے ہیں)

۔۔۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوصف ہمارے ابوحنیفہ تعزیر بالشل کو انسانیت کی تذلیل کہتے اور صرف قرآنی تعزیرات کو انسانیت کی عزت اور بقاء کا ضامن تسلیم کرتے اور کہتے تھے کہ یہودی کو سزا بالشل دینا مثلہ ہے۔۔ اور مثلہ کرنا کسی رسول کے شایان شان نہیں ہو سکتا۔

☆ ایک شخص نے حدیث کے حوالہ سے بات کی۔۔ آپ نے فرمایا۔ ایسی روایتوں سے معاف رکھو (ہمارے دینی علوم علامہ جیراجپوری ص ۱۲۵/۱۴ تا ۱۵)

☆ ابو اسحاق فزاری نے ایک حدیث پیش کی۔۔ آپ نے اسے خرافات (زٹل) کہدیا۔

☆ آپ سماع موتی کے قائل نہیں تھے فرماتے تھے مردے اگر بولتے تو اپنے پجاریوں سے کہتے پکار واسے جو سنتا اور جواب دے سکتا ہے۔

☆ کسی نے کہا۔ بچہ جب تک عقیقہ نہیں کیا جاتا آگ میں گروی رہتا ہے (کتب احادیث)۔۔ آپ نے فرمایا یہ حکم۔۔ فطرت احکام کے منافی ہے اس (وضعی) حدیث کو خنزیر کی دم سے ٹانک دو۔۔ بچہ ابھی احکام الٰہی کا مکلف ہی نہیں ہوا۔ عذاب و ثواب نے پہلے ہی اسے گھیر لیا۔

اسی طرح لوگوں نے ۲۰۰۔ ایسی احادیث کا سراغ لگایا ہے جنہیں ہمارے امام اعظم نے سوچ کی عصا سے ناکارہ بنا دیا۔ بایں ہمہ آپ بلند پایہ قرآنی دانشور اور مفکر تھے۔ امام مالک کہتے تھے کہ میں نے ایک ایسا انسان پایا ہے جو اگر پتھر کے ستون کو چاہے تو دلائل سے سونا ثابت کر سکتا ہے اور وہ ہے ابوحنیفہ (زرکلی طبع قاہرہ ۵/۹)۔

یہ چند مسائل بطور نمونہ پیش کئے ہیں تا کہ ہمارے

پاکستان میں ان کے نام لیوا عبرت پکڑیں اوران کے مشن اور اصولوں کے خلاف چل کر ان کا دل نہ دکھائیں اور مشغلہ تکفیر سے باز آجائیں جو آئے دن ان مسلمانوں کے در پے آزار رہتے ہیں جو خرافات کو جزو ایمان نہیں مانتے اور تکفیر کا ٹارگٹ بناتے رہتے ہیں جن کی نہ مسجد الگ ہے۔ نہ قرآن۔ نہ اسلام۔ نہ پیغمبر۔ نہ رشتے ناطے الگ۔ نہ برادریاں جدا جدا۔ جو ختم نبوت کا اس انداز سے عقیدہ رکھتے ہیں جس سے انتظاری عقیدے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ جبکہ تمام سنی فرقے عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح آئیں گے اور ایک ہی ''ہلہ'' میں ساری دنیا کو اپنا ہمنوا بنا ڈالیں گے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اگر اتنی ہی توانائیوں کے حامل ہوں گے جن کے سامنے رسالت محمدیہ دب کر رہ جائے گی تو خاتم النبیینﷺ کا کیا مقام ہوگا؟ نیز سنیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح امتی بن کر آئیں گے انصاف کے ترازو میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ خاص کر نبوت دے کر پھر چھین لینا سنت اللہ کے خلاف بھی ہے اور علم الٰہی پر دھبہ آتا ہے کہ اللہ جن کو نبوت عطا کرتا ہے پھر کسی وقت ان سے چھین کر کسی دوسرے پیغمبر کا امتی بنا لیتا ہے۔ اور یہ کہ وہ امتی ہو کر بھی جزیہ کو بھی منسوخ کریں گے اور جہاد و حج کو بھی اور ایک ہی ہلہ میں ساری دنیا کو ہمنوا بھی بنا لیں گے۔ یارو کچھ تو رحم کرو اتنی توہین خاتم الرسلؐ کی۔ کہ غیر قوم کا نبی نبوت چھنوا کر بھی روحانی توانائیوں سے اتنا مالا مال۔ مزید ستم یہ کہ مسیح کے لئے طویل العمری کہ لاکھوں، اربوں اور کھربوں سال گذرنے پر بھی لافانی زندگی حاصل کرنا۔ جس سے وہ بھی اللہ کی طرح نہ ہو کر بھی ''حی و قیوم'' کا روپ ضرور دھار سکیں۔ بڑا افسوس ناک رویہ ہے۔

پس ہر گاہ کہ یہ طے شدہ بات ہے کہ امام ابو حنیفہ عقلیات کے امام تھے آپ نے عقل کے خلاف احادیث کو مسترد کر دیا ایسے میں کسی سے اگر یہ معلوم ہو کہ آپ ''بے عقلی'' کی راہ بھی چل پڑے تھے تو نہ صرف یہ کہ ذہن اس بات کو قبول کرنے سے ابا کرے گا۔ دھچکا بھی محسوس کرے گا لیکن گھبرانے اور حواس کھو بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے عمومی طرز استدلال کے تناظر میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہاں بھی ان کا وہی فیصلہ ہے جو ان کے عمومی طرز استدلال کا مابہ الامتیاز ہے۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لئے خوشخبری

(نایاب) آسان قرآن مجید (نیوز) مع تفسیر القرآن بالقرآن' از۔ تلمیذ سر سید جناب علی احمد خان دانشمند جالندھری (علیگ)

رعایتی قیمت پر =/200 روپے کی بجائے صرف =/100 روپے میں طلب کریں (علاوہ ڈاک خرچ)

مذکورہ تفسیر کے آخری پارہ کے چند نوٹس ملاحظہ ہوں۔

''سورۃ عبس (آیات 1-16) عام طور پر اس سورۃ کا غلط ترجمہ کر کے اسے پیغمبرﷺ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ یہ تو ایک روحانی اندھے کافر کے لئے ہے۔ مومن اندھے کے لئے نہیں ہے۔ نہ پیغمبرﷺ نے مومن اندھے کے لئے تیوری چڑھائی نہ پیٹھ پھیری۔ یہ تمام حرکات تو روحانی اندھے کافر کی ہیں۔ سورۃ المدثر میں بھی ایسے ہی روحانی اندھے کافر کی حرکات ہیں۔ دشمن قرآن نے بہت سی جھوٹی روایات بنا بنا کر قرآن حکیم کی روشنی پر سیاہ غلاف چڑھانے چاہے لیکن سورج پر کون سیاہ غلاف چڑھا سکتا ہے''۔

''سورۃ الفیل آیات (1-5) پس مکہ معظمہ کے دانائے کار جرنیل حضرت عبدالمطلب نے اپنے ہمراہ تمام اہل مکہ کو لے کر جس کا ہر فرد ایک جانباز سپاہی تھا مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور اصحاب فیل پر اچانک ایسا سخت جوابی حملہ کیا کہ ہاتھیوں نے اپنی فوج کو خود ہی روند ڈالا۔ پھر کیا تھا نہ ابرہہ اور نہ اس کی فوج کا ایک فرد زندہ بچ کر نکل سکا۔ سورۃ یٰسین کی آیات 14 تا 30 دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی گمراہ قوم کو عذاب دینے کے لئے کبھی آسمان سے لشکر نہیں اتارے اور نہ وہ اتارنے والا ہے''۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ اخوت' الکریم مارکیٹ' سیکنڈ فلور' اردو بازار' لاہور۔

قرآں کے اثر کو روک دینے کے لئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا
(اکبرالہٰ آبادی)

علامہ اسلم جیراج پوری کی خوبصورت اور فکر انگیز کتاب **ہمارے دینی علوم** (علم تفسیر، تفسیر بالروایت، علم حدیث، علم فقہ)' قیمت 75 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

☆ ملنے کا پتہ ☆ مکتبہ اخوت' الکریم مارکیٹ' سیکنڈ فلور' اردو بازار' لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد۔ایم۔ڈی، فلوریڈا۔امریکہ

انتخاب حدیث

یوں تو لفظِ حدیث کے بہت سے معنی ہیں مثلاً روایت، ارشاد، قصہ، کہانی، واقعہ، تجربہ وغیرہ۔لیکن اصطلاحاً ارشاداتِ حضورِ اکرم ﷺ کو حدیث کہا جاتا ہے۔ان گنت کتابوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں باتیں ایسی ہیں جو رسولِ مقبولؐ سے منسوب کی جاتی ہیں۔اس کتاب کی ابتدا میں ہی از راہِ کرم یہ بات ذہن نشین فرما لیجئے کہ مندرجہ ذیل دو صورتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

دو صورتیں

۱۔ قول رسول مقبولؐ: وہ بات جو آپؐ نے فرمائی ہو۔

۲۔ آپؐ سے منسوب قول: وہ قول جو حضورِ اکرمؐ سے منسوب کر دیا گیا ہو۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کوئی مسلمان پہلی صورتحال سے اختلاف کی گستاخی کر ہی نہیں سکتا۔دوسری صورتحال سے اختلاف کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ شخص قولِ رسولؐ سے انکار کر رہا ہے بلکہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ قول آنجناب کا نہیں ہو سکتا۔آپؐ نے یوں نہیں فرمایا ہو گا۔راوی سے غلطی ہوئی ہے۔لہٰذا ایسا شخص منکرِ حدیث نہیں کہلا سکتا۔

ایک اہم نکتہ

ہر شخص کو یہ حقیقت تسلیم ہے کہ قرآنِ کریم کلامِ الٰہی ہے اور یہ وحی رسولِ اکرم کی حیاتِ طیبہ میں ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔قرآن خود فرماتا ہے

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں''

اس کے برعکس احادیث کے جو مجموعے آج ملتے ہیں وہ صاحبؐ وحی کے بعد لکھے گئے۔اکثر احادیث میں یہ وقفہ سینکڑوں برس تک محیط ہے۔حق تو یہ ہے کہ جو احادیث قرآن کریم کے مطابق بھی ہیں ان کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے ممکن ہے آپؐ نے یہ فرمایا ہو۔اسی لئے محدثین اکثر لکھتے آئے ہیں۔آپ نے فرمایا یا کچھ ایسا فرمایا۔

''قال او کما قال''۔

جانچنے کا معیار

احادیث مختلف راویوں کے واسطوں سے لکھی گئی ہیں۔واسطوں کی یہ کڑیاں کہیں تین چار ہیں، کہیں سات آٹھ اور کہیں اس سے زیادہ۔ہمارے علماء جب کسی حدیث کو جانچنے بیٹھتے ہیں تو ان کی تحقیق عموماً ایک نکتہ پر شروع ہوتی ہے اور وہیں ختم ہو جاتی ہے۔وہ نکتہ کیا ہے؟ یہ کہ راوی قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ یہ جو چھ سات راویوں کی کڑیاں ہیں یہ لوگ کب پیدا ہوئے؟ کیوں پیدا ہوئے؟ کہاں پلے بڑھے؟ کہاں گزرے؟ فلاں شخص نے فلاں کے بارے میں کیا کہا؟ فلاں شخص کا مزاج ایسا تھا اور حافظہ یوں تھا۔اس نے ایک معاملہ یوں نمٹایا تھا۔اس کی داڑھی چھوٹی تھی۔اس پر تشیع کا الزام تھا اور فلاں ناصبی تھا، فلاں راوی یا امام لونڈی کی اولاد تھا اور

فلاں آزاد عورت کا بیٹا! یہ نبیذ پیتا دیکھا گیا اور وہ گانا سنتے پکڑا گیا۔ یہ بائیں سے پانی پیتا دیکھا گیا۔ اسے دائیں ہاتھ سے استنجا کرتے دیکھا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہماری فرقہ بندیاں

احادیث کی جانچ پرکھ کا یہ معیار قطعی غلط ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک فرقے والے جن راویوں کو مستند کہتے ہیں دوسرے فرقے والے ان ہی کو غلط قرار دیتے ہیں۔ ہماری فرقہ بندیوں کا سبب بڑی حد تک مؤرخین اور محدثین کا آپس میں یہی اختلاف رائے ہے۔ ایک مثال دیکھئے۔ سنیوں کے نزدیک بخاری اور مسلم صحیح ترین حدیثیں ہیں اور شیعوں کے نزدیک نہج البلاغہ اور الکافی مستند ہیں۔

جانچ پرکھ کے جو معیار تجویز کئے گئے

۱۔ سب سے عام تو یہی معیار چلا آیا کہ راویوں کا پوسٹ مارٹم ہوتا رہا۔

۲۔ دوسرا معیار صوفیوں نے قائم فرمایا کہ جو بات ان کے کشف والہام سے لگا کھا جائے وہ ٹھیک ہے۔

۳۔ کچھ مولویوں اور صوفیوں نے علم المنام یعنی اپنے خوابوں اور ان کی تعبیروں کے گھوڑے آگے بڑھا دیئے۔ شاہ ولی اللہ نے اٹھارویں صدی عیسوی میں ۴۰ حدیثیں یہ کہہ کر پیش فرمائیں کہ رسول ﷺ ان کے پاس آئے اور فلاں بات فرمائی۔

۴۔ ایک اور معیار نبوت کے مدعیوں نے پیش کیا۔ اس کی بہترین مثال قادیان والے مرزا غلام ہیں جنہوں نے خود پر نازل ہونے والی نام نہاد وحی کو کھرے کھوٹے کی پہچان کا ذریعہ قرار دیا۔

۵۔ ۲۰ ویں صدی کے مقبول ترین مولوی مودودی صاحب بولے کہ سچی اور موضوعہ حدیث کے درمیان فرق ''مزاج شناس رسول'' کر سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مودودی صاحب کے مزاج پر جو حدیث اترے وہ سچی ہے ورنہ گھڑی ہوئی ہے۔

۶۔ اسماء الرجال کا گورکھ دھندہ۔ یہ حدیث اتنے لوگوں سے مروی ہے۔ فلاں خبر واحد ہے۔ یہ متواتر ہے اور فلاں مرسل ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی مشقت ہے جو ہمارے مولوی کا سارا وقت کھا جاتی ہے۔ حدیثوں کے پانچ لاکھ راوی اور ان کی چھان پھٹک ہزار برس سے ہوتی آئی ہے اور آج تک یہ ذہنی سزا بھگتنے والے ایک نتیجے پر پہنچ نہیں پائے۔ اس موضوع پر مستشرقین نے مسلمان کی وہ پٹائی لگائی ہے کہ رہے نام اللہ کا۔

۷۔ یہ بھی بہت عام بات ہے کہ جو حدیث کسی شخص یا فرقے کے اپنے مسلک میں فٹ بیٹھے اسے تسلیم کر لیا جائے اور دیگر کو مسترد کر دیا جائے۔

سچا معیار

خوش قسمتی سے ہمارے پاس الفرقان موجود ہے۔ بات سیدھی سی ہے اور رسول کریم کے ارشاد کے عین مطابق ہے کہ جو بات قول رسول کہہ کر ہمارے سامنے پیش کی جائے اسے ہم قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھ لیں۔ جو حدیث قرآن کے مطابق ہو اسے تسلیم کر لیں اور جو قرآن کے مخالف پڑتی ہو اس کے بارے میں سمجھ لیا جائے کہ یہ قول رسول کریم نہیں ہو سکتا۔ لیجئے اتنا گمبھیر مسئلہ ایک آن میں حل ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے چند بنیادی اصول

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب لوگ تو قرآن کریم کا علم نہیں رکھتے پھر وہ احادیث کو اس کھری کسوٹی پر کیسے پرکھ سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بہت اہم سوال ہے۔ اس مشکل سوال کا ایک سادہ سا حل ہم نے سوچا ہے۔ انشاء اللہ آپ پسند فرمائیں گے۔

بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے چند بنیادی اصول ہیں۔ یہ چند اصول ذہن میں بٹھا لئے جائیں تو کسی بھی تاریخی روایت اور حدیث کو ''الفرقان'' کے مطابق جانچنا ہم سب کے لئے آسان ہو جائے گا۔

اب وہ کارآمد اصول احترام کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ اصول قرآن سے ہی لئے گئے ہیں۔

☆ پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن ہی کی ایک آیت کے مطابق ''تم اللہ کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے'' (۴۸/۲۳)۔ اس اصول کے تحت جب آپ کوئی ایسی روایت دیکھیں جو کائنات میں جاری وساری قدرتی قوانین کے خلاف ہو تو وہ روایت وضعی ہوگی یعنی گھڑی ہوئی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کہے یا لکھے کہ فلاں صاحب تو پانی پر چلا کرتے تھے یا ہوا میں اڑا کرتے تھے تو یہ بات غیر قرآنی لہٰذا جھوٹ ہوگی۔ ایک مثال اور لیجئے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ ''مردے اس دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے'' اب اگر مردوں کو زندہ کرنے کی کوئی روایت آپ کی نظر سے گزرے تو اس کے مجازی معنی لیئے جائیں گے یعنی چلتی پھرتی زندہ لاشوں میں یقین، ولولہ اور جذبہ پیدا کر دینا۔

☆ قرآن کا دوسرا اصول یہ یاد رکھ لیجئے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (۵۳/۳۸)۔ اس محکم اصول کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کی نیکی یا عبادت کسی دوسرے کے کام آجائے۔ ہم یہ بات بخوبی سمجھتے ہیں کہ ہماری مذہب گزیدہ قوم کے ماہرین ان گزارشات سے اتفاق نہ کرسکیں گے لیکن:

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

اقبالؔ

آپ اپنے مرحوم بزرگوں کے لئے حج بدل کرتے رہیے یا قرآن کریم پڑھ کر انہیں ثواب پہنچاتے رہیے۔ آپ اس طرح صرف اپنے دل کو بہلانے کا سامان کرلیں گے۔ ممکن ہے کہ وقت اور پیسے کے اسراف کا الزام آپ پر آجائے لیکن آپ کے مرحوم بزرگوں کو اس طرح کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

☆ قانون مکافات قرآن کا محکم اور اٹل قانون ہے۔ یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

اللہ نے یہ کائنات اس طرح تخلیق کی ہے کہ ہر عمل اپنا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ برے کام کا برا نتیجہ اور اچھے کام کا اچھا نتیجہ جلد یا بدیر مرتب ہو کر رہتا ہے۔

☆ ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ انسان کے جسم کی نشوونما لینے یعنی کھانے پینے سے ہوتی ہے لیکن اس کی شخصیت کی نمود دوسروں کو فائدہ پہنچا کر ہی ممکن ہے۔ یہ فائدہ مال سے پہنچایا جائے یا جان سے، معاشرے سے ہم جو کچھ لیتے ہیں اگر ہم اس سے زیادہ معاشرے کو لوٹاتے رہتے ہیں تو ہماری شخصیت کا ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ شخصیت کے اس ارتقاء کو قرآن تزکیہ کہتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ کونے میں بیٹھ کر ''اللہ ھو'' کی ضربیں لگانے سے، وظیفے پڑھنے سے اس کا روحانی تزکیہ ہو جائے گا تو یہ محض خوش فہمی ہوگی۔

☆ اللہ عزیز وحکیم ہے یعنی وہ زبردست ہے تو حکمت والا بھی ہے۔ وہ انسانی بادشاہوں کی طرح ذرا سی بات پر خوش ہو کر نہال نہیں کر دیتا اور نہ ہی ذرا سی خطا پر عذاب میں جھونک دیتا ہے۔ جزا اور سزا درحقیقت ہمارے اعمال میں چھپی ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؔ نے ''سیر فلک'' میں خوب وضاحت کی ہے کہ وہ جہنم کو ایک ٹھنڈی جگہ پا کر حیران ہوئے تو گائیڈ فرشتے نے کہا:

یہ مقامِ خنک جہنم ہے
نار سے نور سے تہی آغوش
اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

اس اصول کے تحت اگر کوئی روایت ایسی ملے کہ فلاں وقت قبولیت دعا کا ہوتا ہے یا فلاں گھڑی عذاب کی ہوتی ہے یا جب چاہے اللہ نواز دے، جب چاہے پکڑ لے۔ نہ جانے کونسی ادا اسے بھا جائے؟ رحمت فلاں آسمان پر ہے اس وقت، تو

ایسی روایت وضعی ہو گی۔ اللہ ڈکٹیٹر نہیں لہٰذا اس کے ہاں اندھیر نہیں۔ اس کے یہاں قانون کی حکمرانی ہے۔ راقب پنجابی کا ایک مزیدار شعر تو کہہ گزرے لیکن یہ بالکل غیر قرآنی بات ہے۔

اوتھے کی پروا اے راقبؔ' اوتھے بے پروائیاں نیں
پھڑ لے عملاں والیاں نوں تے چھڈ دیوے گنہاراں نوں

اسی طرح رونے اور گڑگڑانے سے اللہ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے' انسانی جذبات کا معاملہ ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں رجوع زبان کے ساتھ عمل کے ذریعے ہوتا ہے۔ عزیز وحکیم کو ایک بار پھر ذہن میں لائے۔ وہ انسانوں کی طرح غصے میں نہیں آتا۔ انسان کے غلط اعمال (دوسرے الفاظ میں اللہ کے احکام وقوانین کی خلاف ورزی) کا نتیجہ ہی اللہ کا غضب ہوتا ہے (۷/۹۹)۔

☆ قرآن اللہ کا آخری پیغام ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ دین مکمل ہو چکا ہے۔ آپؐ کے بعد کسی شخص پر وحی نازل نہیں ہو سکتی نہ ہی کشف' الہام یا کسی اور ذریعے سے براہ راست بارگاہ خداوندی سے علم حاصل ہو سکتا ہے (۳۴/۶' ۵/۳' ۵/۱۷' ۸/۷' ۱۵/۹)۔

عقل سلیم

صاحبو! یہ تو تھے چھ قرآنی اصول۔ ان کے علاوہ عقل سلیم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کوئی بات ہرگز قول رسول مقبول نہیں ہو سکتی جس میں:

۱۔ آقائے نامدار ﷺ کی توہین ہوتی ہو۔

۲۔ نہ ہی ایسی کوئی تاریخ یا روایت درست ہو سکتی ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ حضور اکرمؐ کے اعلیٰ ترین اخلاق کے بارے میں قرآن خود گواہی دیتا ہے (۲۱/۳۲)۔ آپؐ انسان کامل تھے۔ آپؐ کے اصحابؓ قرآن کی شہادت کے مطابق ''مومنون حقا'' کے سچے مومن تھے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (۸/۷۴' ۹/۱۰۰)۔ ان کے مابین محبت ومودت کا بھرپور رشتہ استوار تھا۔

۳۔ رسول کریمؐ دنیا کی سب سے بڑی انقلابی ہستی تھے۔ آپ بنی نوع انسان کی تقدیر بدلنے تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جنسیات میں ملوث ہونے کی فرصت تھی نہ کھڑے کھڑے اپنے پیروں کو متورم کر لینے کا وقت۔ لہٰذا ان امور پر جو روایات آپ دیکھیں وہ وضعی ہوں گی۔

۴۔ جو بات کھلی کھلی جہالت پر مبنی ہو یا عام مشاہدے کے خلاف ہو وہ قول رسول نہیں ہو سکتی۔ مثلاً یہ کہ خوبصورت چہرہ دیکھنے سے نظر تیز ہوتی ہے یا جانور کبھی ناقص الاعضاء پیدا نہیں ہوتا۔

صاحبو! ہم سمجھتے ہیں کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہم نہایت ادب واحترام کے ساتھ وہ احادیث آپ کی خدمت میں پیش کریں جو (ہمارے نزدیک) قرآن کے مطابق ہیں اور یہی ہماری وجہ انتخاب ہے۔ قرآنی آیات کے حوالے کی ضرورت اس لئے نہ ہو گی کہ ہم نے ابتدا میں قرآن کریم کی تعلیم کے بنیادی اصول بیان کر دیئے ہیں۔

وہ چند احادیث جو قرآن کے مطابق ہیں

۱۔ خوب کوشش کرو پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کر دو۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ وہ گناہ معاف کر دیا گیا ہے جو بھولے سے ہو گیا ہو۔ (بخاری۔ مسلم)

۳۔ میانہ روی اور اعتدال نبوت کی خوبیوں میں سے ہے۔ (ترمذی)

۴۔ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس میز پر بھی نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو (حاکم)

۵۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ (بخاری)

۶۔ اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے اور بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ (نسائی)

۷۔ جس شخص نے کم گوئی اختیار کی وہ نجات کی راہ پر چل

نکلا۔ (ترمذی)

۸۔ مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ اس میں کوئی عیب دیکھے تو آگاہ کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

۹۔ اگر تم اپنے بھائی (بہن) کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہو تو اسے بتا دو۔ (بیہقی)

۱۰۔ صفائی' پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔ (مسلم)

۱۱۔ علم حاصل کرنے کی کوشش ہر مسلم اور مسلمہ پر فرض ہے۔ (ابن ماجہ)

۱۲۔ جو شخص سلام میں پہل کرے وہ تکبر سے پاک ہے۔ (بیہقی)

۱۳۔ ہر جاندار سے نیک سلوک کرنے میں تمہارے لئے اجر ہے۔ (بخاری)

۱۴۔ اللہ کے نزدیک سب سے برا نام یہ ہے کہ کوئی شخص خود کو شہنشاہ (ملک الملوک) کہلائے۔ (بخاری)

۱۵۔ تمام خوبیاں عقل سے وابستہ ہیں۔ جس میں عقل نہ رہے اس میں دین بھی نہیں رہتا۔ (مشکوٰۃ)

۱۶۔ اپنا کام خود کیا کرو۔ تم میں سے کوئی شخص اگر گھوڑے پر سوار ہو اور اس کا کوڑا زمین پر گر جائے تو وہ شخص خود گھوڑے سے اتر کر اسے اٹھائے۔ (ابوداؤد۔ مسند احمد)

۱۷۔ سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اس چیز کو چشم دید کہے جو اس نے دیکھی نہ ہو۔ (بخاری)

۱۸۔ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں ڈھونڈے۔ (ابوداؤد)

۱۹۔ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب لوگوں کی حالت ایسی ہو گی جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں سواری کے قابل ایک بھی نہ ہو۔ (یعنی صاحب کردار قابل اعتماد افراد کی کمی ہو جائے گی)۔ (بخاری)

۲۰۔ دائرہ اسلام سے وہ شخص خارج ہوتا ہے جو ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کی مدد کرے۔ (بیہقی)

۲۱۔ ہم اس شخص کو اپنا عہدہ نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو۔ (بخاری)

۲۲۔ اکثر لوگ دو نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ صحت اور فرصت۔ (بخاری)

۲۳۔ مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔ (بخاری)

۲۴۔ جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے ڈالا اسے اس کا نسب (یعنی خونی رشتہ) آگے نہیں بڑھا سکتا۔ (بخاری)

۲۵۔ اے بنی ہاشم! اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ اور اے محمدؐ کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے یہاں کے لئے کچھ نہ کچھ (اچھے کام) کر رکھو۔ میں تمہیں اس کے قانون مکافات سے نہیں بچا سکتا۔ (مسند احمد۔ شافعی)

۲۶۔ فضیلت کا معیار رنگ ونسل' نام ونسب اور مال و دولت نہیں صرف تقویٰ (کردار) ہے۔ (بخاری' مسلم)

۲۷۔ اللہ نے اہل ایمان کے لئے حرام میں شفا نہیں رکھی۔ (بخاری)

۲۸۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (مسند احمد)

۲۹۔ تنگ دستی انسان کو کافر بنا سکتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

۳۰۔ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔ (بحوالہ معارف القرآن)

۳۱۔ اللہ کے نزدیک ترین وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (مسند احمد' ترمذی' ابوداؤد)

۳۲۔ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام تم پر مسلط کئے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ' بیہقی)

۳۳۔ عوام اپنے حکمرانوں کے طرز عمل پر ہوتے ہیں۔ (بحوالہ معارف القرآن)

۳۴۔ مسلمان کی زندگی کیا ہے؟ جب جہاد ہو رہا ہو تو اس میں شریک ہو اور جب جہاد نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔ (طبرانی)

۳۵۔ میں نے تم کو ایک سہل اور آسان دین پر چھوڑا ہے جس میں کوئی مشقت نہیں۔ (بخاری)

۳۶۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت

دیکھی جائے۔(بیہقی)

۳۷۔ اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا یا تصوف) نہیں۔ (ابوداؤد)

۳۸۔ جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر نہیں کرتا۔(مسند احمد۔مظہری)

۳۹۔ امت مسلمہ ایک جسم کی طرح ہے۔جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو پورا جسم اسے محسوس کرتا ہے۔(مسلم)

۴۰۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہو گے۔وہ ہے کتاب اللہ۔(سیرۃ شبلی بحوالہ صحاح ۲/۹۶)

۴۱۔ جس شخص کی نماز اسے بے حیائی اور برائیوں سے نہ روک سکے وہ اللہ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے۔(احیاء العلوم)

۴۲۔ جس نے اللہ کے احکام وقوانین کے مطابق زندگی بسر کی اس نے اللہ کو یاد کیا۔اگرچہ اس کے نماز روزہ وغیرہ کم ہوں اور جس نے احکام وقوانین خداوندی کی خلاف ورزی میں زندگی گزاری اس نے اللہ کو بھلا دیا اگرچہ اس کے نماز و روزہ وغیرہ زیادہ ہوں۔(قرطبی)

۴۳۔ دین یہ ہے کہ سب لوگوں کی خیر خواہی کی جائے۔ (بحوالہ معارف القرآن)

۴۴۔ حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس کے اہل ہوں۔(قرطبی)

۴۵۔ شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔(نسائی)

۴۶۔ شراب ام الخبائث اور ام الفواحش ہے۔(نسائی)

۴۷۔ جس شخص کو تم نے قرض دیا ہو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرو۔(بخاری)

۴۸۔ جب کسی بستی میں بے حیائی اور سود پھیل جائے تو اس نے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دی۔(حاکم)

۴۹۔ جس نے اپنی دوستی اور دشمنی کو اللہ کے لئے (قرآنی نظریات کے لئے) وقف کر لیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ (مسلم، بخاری)

۵۰۔ جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔ (طبرانی)

۵۱۔ جو لوگ نماز اور تسبیح کے ساتھ احکام خدا کی خلاف ورزی کو نہیں چھوڑتے ان کی عبادت مقبول نہیں۔(معارف القرآن)

۵۲۔ جس طرح اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح اس کے قانون مکافات سے بے پرواہ ہو جانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔(معارف القرآن)

۵۳۔ والدین کو محبت کی نظر سے دیکھنا ایسا ہے کہ ہر نظر میں اسے حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔(بیہقی)

۵۴۔ والدین کی دل آزادی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔(بیہقی)

۵۵۔ دو عادتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔بخل اور بد اخلاقی۔(ترمذی)

۵۶۔ ریا یعنی دکھاوا شرک اصغر ہے۔(مسند احمد)

۵۷۔ جاہل شخص جو سخی ہو اللہ کے نزدیک اس عابد سے بہتر ہے جو بخیل ہو۔(ترمذی)

۵۸۔ جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری نااہل لوگوں کے سپرد کر دی گئی ہے تو قیامت (انقلاب) کا انتظار کرو۔ (بخاری)

۵۹۔ عادل اللہ کا محبوب اور ظالم اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔(معارف القرآن)

۶۰۔ محشر میں تم لوگ رسولؐ کے ساتھ ہو گے اگر تم ان سے محبت رکھتے ہو۔(بخاری)

۶۱۔ اچھے کام پر آمادہ کرنے والے کو وہی اجر ملتا ہے جیسا اسے کرنے والے کو۔(مظہری)

۶۲۔ اسلام کے سب سے اچھے اور افضل اعمال کیا ہیں؟ یہ کہ تم لوگوں (ضرورتمندوں) کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو عام کرو اگرچہ تم مخاطب کو پہچانتے نہ ہو۔(بخاری، مسلم)

۶۳۔ سوار کو چاہئے کہ پیادے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو۔چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر گزرے تو سلام کی ابتدا کرے۔(بخاری، مسلم)

۶۴۔ سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ کی جانب سے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔(بحر محیط۔مظہری)

۶۵۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر و تشریح کرتا ہے۔ خود قرآنی تفسیر کے خلاف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ (معارف القرآن ۲/۵۹۶)

۶۶۔ ظالم کی بھی مدد کرو۔ اس کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکو۔ (بخاری، مسلم)

۶۷۔ شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا۔ (ابن ماجہ)

۶۸۔ مسلمان ہونے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ آدمی بے نتیجہ باتوں اور کاموں کو چھوڑ دیتا ہے۔ (معارف القرآن)

۶۹۔ صبر (عزم و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا) اللہ کی مدد لے کر آتا ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)

۷۰۔ جس شخص کو قرآن پہنچ گیا۔ میں اس کا نذیر ہوں۔ (معارف القرآن)

۷۱۔ حکام اور امراء کو برا کہنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ اللہ تمہارے سب کام سنوار دے گا۔ (مشکوٰۃ)

۷۲۔ محروم رہا وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں ایک کو ضعیفی میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

۷۳۔ تولو اور جھکتا ہوا تولو۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

۷۴۔ میزان عمل میں سب سے وزنی عمل کونسا ہوگا؟ حسن اخلاق۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۷۵۔ سب سے پہلی پرسش جو ہوگی اور سب سے پہلا عمل جو پرکھا جائے گا وہ اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرنے کا عمل ہے۔ (طبرانی)

۷۶۔ میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی عمل دو ہوں گے۔ حسن اخلاق اور زیادہ خاموش رہنا۔ (معارف القرآن)

۷۷۔ جس طرح حرام کا استعمال گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی سخت گناہ ہے کیونکہ یہ قانون الٰہی کی مخالفت ہے۔ (مظہری، ابن کثیر، روح المعانی)

۷۸۔ ذکر الٰہی کے لئے آوازیں بلند نہ کرو کہ بہترین ذکر خفی ہے۔ (مسند احمد، بیہقی)

۷۹۔ اللہ سے دعا کرو جب تمہیں اس کے قبول ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔ (معارف القرآن)

۸۰۔ دین آسان ہے۔ (معارف القرآن)

۸۱۔ صاحب علم شخص کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے رسولؐ کی فضیلت عام آدمی پر۔ (بیان العلم)

۸۲۔ دین کی فہم رکھنے والا ایک شخص شیطان کے مقابلے میں ایک ہزار عابدوں سے زیادہ قوی ہے۔ (ترمذی)

۸۳۔ تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی اچھا کام کرو۔ (مسند احمد)

۸۴۔ اللہ کے بارے میں اچھا گمان رکھو۔ تم اسے اپنے گمان کے قریب پاؤ گے۔ (بخاری)

۸۵۔ تہمت کے مواقع سے بھی بچو۔ (قرطبی)

۸۶۔ دنیا میں ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

۸۷۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟ خود تمہارا نفس جو اقدار خداوندی کا پابند نہ ہو۔ (معارف القرآن)

۸۸۔ جو شخص اپنی مصیبت بیان کرتا پھرے اس نے صبر نہیں کیا۔ (معارف القرآن)

۸۹۔ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔ (ترمذی)

۹۰۔ لوگوں کو بشارت دو۔ متنفر نہ کرو۔ (بخاری)

۹۱۔ حیا ایمان کا حصہ ہے۔ (بخاری)

۹۲۔ اگر حیا ہی جاتی رہی تو جو چاہو گے کرو گے۔ (بخاری)

۹۳۔ جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے خدا اس کو سربلند کرتا ہے۔ (مظہری)

۹۴۔ ان آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے جو اسلامی سرحد کی حفاظت کے لئے بیدار رہیں۔ (حاکم، بیہقی)

۹۵۔ دولت اور زینت دنیا تمہارے لئے بڑی آزمائش ہوں گی۔ (ابن ابی حاتم)

۹۶۔ کسی شخص کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔ ([illegible])

۹۷۔ انسان اپنے دوستوں کی روش پر ہوتا ہے۔ اس لئے

دوست بنانے سے پہلے غور کرلیا کرو۔(بخاری)

۹۸۔ دانش مندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کی جائے۔(ابن کثیر)

۹۹۔ مال کی محبت اور منصب و جاہ کی طلب انسان کے دین کو کھا جاتی ہے۔(طبرانی)

۱۰۰۔ غیر ضروری تعمیر صاحب تعمیر کے لیے مصیبت ہے۔(ابوداؤد)

۱۰۱۔ سب شہر اللہ کے شہر اور سب بندے اللہ کے بندے ہیں اس لئے جس جگہ تمہارے لئے اسباب خیر جمع ہوں وہاں رہائش اختیار کرو۔(مسند احمد)

۱۰۲۔ اپنے دلوں کو آرام وتفریح بھی دیا کرو۔(ابوداؤد)

۱۰۳۔ چلنے میں بہت جلدی کرنا مومن کی رونق ضائع کر دیتا ہے۔(جامع صغیر)

۱۰۴۔ عورت جب اپنے گھر کے اندر ہو اس وقت اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔(ترمذی)

۱۰۵۔ ہر مجلس میں اللہ کا ذکر ضرور کیا کرو۔(مسند احمد)

۱۰۶۔ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔(معارف القرآن)

۱۰۷۔ تم خوش ہو یا ناراض انصاف کا دامن نہ چھوڑو۔(قرطبی)

۱۰۸۔ کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار نہ دلاؤ جس سے اس نے توبہ کرلی ہے۔(قرطبی)

۱۰۹۔ تین آدمی جمع ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔(بخاری'مسلم)

۱۱۰۔ جو شخص روزے میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی ضرورت نہیں۔(بخاری)

۱۱۱۔ سونے اور چاندی کا ادھار خرید و فروخت کرنا سود ہے۔(مسلم)

۱۱۲۔ خواتین کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔(مسلم' ابوداؤد)

۱۱۳۔ دین میں غلو نہ کرو یعنی مبالغہ سے بچو۔قومیں اس سے برباد ہو جاتی ہیں۔(ابن ماجہ'نسائی)

۱۱۴۔ ایک بار آپ ایک جنازے میں شریک تھے۔فرمایا ''لوگو!اس دن کے لئے سامان کررکھو''۔(ابن ماجہ)

۱۱۵۔ اللہ اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔(بخاری)

۱۱۶۔ خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔(زرقانی)

۱۱۷۔ ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو تا کہ آپس میں محبت کا تعلق استوار رہو۔(معارف القرآن)

۱۱۸۔ اگر تم نے اولاد کی محبت کا حق ادا کیا (یعنی ان کی ٹھیک تعلیم وتربیت کی) تو تم جہنم سے محفوظ رہو گے۔(بخاری)

۱۱۹۔ بے زبانوں یعنی جانوروں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔(ابوداؤد)

۱۲۰۔ شادی کے لئے لڑکی کا انتخاب چار خوبیوں کی بنا پر ہو سکتا ہے۔۱۔مال ۲۔نسب یعنی گھرانہ ۳۔حسن ۴۔کردار۔تم صاحب کردار لڑکی کی تلاش کیا کرو۔(بخاری)

۱۲۱۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب سود کا غبار یا دھواں ہر شخص تک پہنچے گا۔(ابن ماجہ'نسائی'ابوداؤد)

۱۲۲۔ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔(شبلی)

۱۲۳۔ تمہاری کوشش سے ایک شخص کا دین حق قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بڑھ کر ہے۔(مسلم)

۱۲۴۔ جو شخص کسی نجومی کی باتوں کو سچ سمجھے وہ مجھ پر نازل شدہ کتاب کا انکار کرتا ہے۔(مشکوۃ)

۱۲۵۔ بیٹے کے جرم کا بدلہ باپ سے اور باپ کے جرم کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جائے گا۔(دار قطنی)

۱۲۶۔ جو شخص گمشدہ مال کا پتہ پوچھنے کسی عامل' کاہن' نجومی وغیرہ کے پاس جائے گا اس کی نماز بھی چالیس دن تک قبول نہ ہوگی۔(مشکوۃ)

۱۲۷۔ بے شک جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے شرک ہیں۔(ابوداؤد'ابن ماجہ)

۱۲۸۔ غول بیابانی (یعنی بھوت پریت' آسیب' چھلاوا' ڈائن' چڑیل اور بدروح وغیرہ) کا کوئی وجود نہیں۔(ابوداؤد)

۱۲۹۔ پرندوں وغیرہ سے فال لینا' کنکر تیر وغیرہ پھینک کر یا آڑھی ترچھی لائنیں کھینچ کر حال و مستقبل بتانا شیطانی کام ہیں۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

۱۳۰۔ خدا نرمی والا ہے وہ معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ (مسلم' نسائی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

۱۳۱۔ آخرت کی جزا سزا کیا ہے؟ بندوں کے اعمال جو اللہ (کا قانون) انہیں لوٹا کردے گا۔ (مسلم' ترمذی' مسند احمد)

۱۳۲۔ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر۔ (مسند احمد)

۱۳۳۔ مسافر اگر تین ہوں تو ایک کو امیر بنا لیا کرو۔ (زادالمعاد)

۱۳۴۔ جیسے ہی سفر کی ضرورت پوری ہو جائے اپنے گھر لوٹ آیا کرو۔ (زادالمعاد)

۱۳۵۔ کم بولنے کی عادت اختیار کرو۔ (بیہقی)

۱۳۶۔ کھانے کی مجلس میں جو شخص بزرگ ہو اس سے کھانا شروع کروانا چاہئے۔ (مسلم)

۱۳۷۔ بچوں کو ادب سکھانے کے لئے (حسب ضرورت) ان پر سختی بھی کیا کرو۔ (مسند احمد)

۱۳۸۔ اپنے اہل و عیال پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرو۔ (مسند احمد)

۱۳۹۔ بدشگونی کوئی چیز نہیں۔ (بخاری' مسلم' مشکوٰۃ)

۱۴۰۔ غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے' تندرستی کو بیماری سے پہلے' خوشحالی کو تنگ دستی سے پہلے' فرصت کو مشغولیت سے پہلے' زندگی کو موت سے پہلے۔ (شبلی)

۱۴۱۔ معدے کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے ہونا چاہئے۔ (زادالمعاد)

۱۴۲۔ گھروں میں اللہ کے احکام و قوانین کا ذکر کرتے رہا کرو۔ (اسوہ رسول اکرمؐ)

۱۴۳۔ تم میں بہتر فرد وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو سکھائے۔ (اسوہ رسول اکرمؐ)

۱۴۴۔ تمہیں قرآن کی ایک آیت ہی کافی ہے۔ ''جو شخص اللہ کے قوانین کو نگاہ میں رکھے گا اس کے لئے مشکلوں سے رہائی کی صورتیں پیدا کر دی جائیں گی''۔ (معارف القرآن ۴/۶۵)

۱۴۵۔ خطاکاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو دل سے توبہ کریں اور اللہ کی بتائی راہ پر چل پڑیں۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

۱۴۶۔ مسلمانو! اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھا کرو۔ (طبرانی)

۱۴۷۔ بحث نہ کیا کرو۔ اور نہ اپنے بھائی سے ایسا وعدہ کرو جسے تم پورا نہ کرو۔ (ترمذی)

۱۴۸۔ ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس پر کل تمہیں معذرت کرنی پڑے۔ (مسند احمد)

۱۴۹۔ انسانوں کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے کوئی امید وابستہ نہ کرو۔ (مسند احمد)

۱۵۰۔ دولت کو حقیر ٹھہرانا کوئی خوبی نہیں کیونکہ اس کے ذریعے لوگوں کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں اور آدمی دنیا کے لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ (بیہقی)

۱۵۱۔ عیادت کرو اور بیمار کے پاس سے جلد اٹھ آؤ۔ (اسوہ رسول اکرمؐ)

۱۵۲۔ اگر تم کسی اچھے کام میں کامیاب ہو تو اسے جاری رکھو۔ (بیہقی)

۱۵۳۔ جو شخص اپنے گھرانے کے لئے رزق حلال کی تگ و دو میں رہتا ہے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (بخاری' مسلم)

۱۵۴۔ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کرو۔ (ابن ماجہ)

۱۵۵۔ قرض لینے سے بچو کہ وہ رات کے وقت رنج و فکر پیدا کرتا ہے اور دن کے وقت ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔ (بیہقی)

۱۵۶۔ محتاجی اور مفلسی سے اللہ کی پناہ چاہو۔ (نسائی' حاکم)

۱۵۷۔ غلے کی ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ (ابن ماجہ' مشکوٰۃ)

۱۵۸۔ راشی اور مرتشی (رشوت دینے اور لینے والا) دونوں جہنم میں ہوں گے۔ (طبرانی)

۱۵۹۔ مرد عورتوں کی نقل نہ کریں اور عورتیں مردوں کی مشابہت نہ کریں۔ یہ اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب ہے۔

(بخاری)

۱۶۰۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور باہر جاتے ہوئے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۱۶۱۔ جو شخص تکبر سے لمبا کپڑا پہنے گا اسے اللہ کی رحمت حاصل نہ ہوگی۔ (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

۱۶۲۔ اپنے مہمان کا استقبال دروازے سے باہر نکل کر کرو اور رخصت کے وقت گھر کے دروازے تک پہنچاؤ۔ (بخاری' ابن ماجہ' بیہقی)

۱۶۳۔ دنیا اور آخرت میں عافیت کی دعا بہترین دعا ہے۔ (ترمذی)

۱۶۴۔ مسلمانو! بزرگوں کے پاس بیٹھا کرو۔ عالموں سے سوال کیا کرو اور دانش مندوں سے ملا کرو۔ (طبرانی)

۱۶۵۔ گھر لینے سے پہلے اچھے ہمسائے کو تلاش کیا کرو اور راستہ چلنے سے پہلے اچھے ساتھی کو ڈھونڈ لیا کرو۔ (طبرانی)

۱۶۶۔ جس جوان نے کسی کی بزرگی کے سبب اس کی تعظیم کی اللہ اس کے لئے ایسے لوگ مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کریں گے۔ (ترمذی' مشکوٰۃ)

۱۶۷۔ تم دوسروں کے مشوروں کے محتاج نہ بنو بلکہ خود صاحب الرائے اور پختہ ارادہ کرنے والے بنو۔ (ترمذی' مشکوٰۃ)

۱۶۸۔ سادہ زندگی گزارنا ایمان کی علامت ہے۔ (ابوداؤد)

۱۶۹۔ آدمی نے پیٹ سے زیادہ کوئی برتن نہیں بھرا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں۔ (مسند احمد)

۱۷۰۔ کم گوئی سے انسان کو وہ درجہ ملتا ہے جو ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ)

۱۷۱۔ مسلمانو! اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس پر لازم ہے کہ خاموش ہو جائے۔ (اسوہ رسول اکرمؐ)

۱۷۲۔ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں اخراجات کم ہوں۔ (مشکوٰۃ)

۱۷۳۔ جب تمہارے بچے بولنے لگیں تو انہیں "لا الٰہ الا اللہ" سکھادو۔ (ترمذی)

۱۷۴۔ اطمینان اور وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی شیوہ انبیاء ہے۔ (ترمذی)

۱۷۵۔ جو بچوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی)

۱۷۶۔ جو شخص دانستہ کوئی جھوٹ مجھ سے منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔ (بخاری)

۱۷۷۔ یاد رکھو دین بہت آسان ہے لہٰذا تم اعتدال میں رہو۔ (بخاری)

۱۷۸۔ اختلاف نہ کرتے رہا کرو کہ اس سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (بخاری)

۱۷۹۔ جس شخص کے پاؤں خدا کی راہ میں گرد آلود ہوں اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ (بخاری)

۱۸۰۔ خیرات مت روکو ورنہ تم سے رزق روک لیا جائے گا۔ (بخاری)

۱۸۱۔ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔ (بخاری)

۱۸۲۔ درخت لگانا اور کھیت اگانا باعث اجر ہے۔ (بخاری)

۱۸۳۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے کہ نہیں۔ فرمایا تم بسم اللہ پڑھ کر کھالیا کرو۔ (بخاری)

۱۸۴۔ جس نے کسی شخص کو کام پر لگایا لیکن اجرت نہ دی قیامت میں اس (مظلوم) کا مدعی میں ہوں گا۔ (بخاری)

۱۸۵۔ اللہ کو جھگڑالو شخص ناپسند ہے۔ (بخاری)

۱۸۶۔ ایک صاحب نے عرض کی' دور جاہلیت میں مجھ سے اچھے کام ہوئے۔ کیا ان پر بھی اجر ملے گا؟ فرمایا' تم اپنے اچھے کاموں کی بدولت مسلمان ہوئے ہو۔ (بخاری)

بخاری کی گذشتہ احادیث جلد اول سے تھیں۔ اب جلد دوم سے کچھ احادیث ملاحظہ فرمائیے:

۱۸۷۔ دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو لیکن جب ان سے تمہارا مقابلہ آپڑے تو ثابت قدمی اختیار کرو۔

۱۸۸۔ جس شخص میں یہ چار عادتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے:

بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، معاہدے (امانت) میں خیانت کرے، جھگڑے تو گالیاں دے۔

۱۸۹۔ جب شام ہو جائے تو اس وقت بچوں کو باہر سے روک لو کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔

۱۹۰۔ قیدی کو رہا کر دیا کرو۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو۔

۱۹۱۔ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بہتر ہیں۔

۱۹۲۔ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ صاحب کردار ہے۔

۱۹۳۔ کسی کے خاندان، حسب ونسب پر طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا جاہلیت کی باتیں ہیں۔

اب بخاری جلد سوم سے کچھ احادیث:

۱۹۴۔ ولیمہ کی وہ دعوت سب سے بری ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

۱۹۵۔ مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

۱۹۶۔ وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے بے خوف نہ ہو۔

۱۹۷۔ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اچھی بات کہو یا خاموش رہو۔

۱۹۸۔ اپنے گناہوں کی اشاعت نہ کیا کرو۔

۱۹۹۔ زمانے کو برا نہ کہو۔ (بلکہ اپنا محاسبہ کیا کرو)

۲۰۰۔ کوئی آدمی دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔

۲۰۱۔ فرمایا ''اے اللہ! میں کاہلی، بزدلی، انتہائی ضعیفی اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔

۲۰۲۔ تونگری (امیری) مال سے نہیں دل سے ہوتی ہے۔

۲۰۳۔ جنت اور دوزخ تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

۲۰۴۔ جس شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو اسے چاہئے کہ معاف کروالے۔

۲۰۵۔ جب کبھی آپؐ کو دو میں سے ایک کام کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپؐ نے آسان کو اختیار فرمایا۔

۲۰۶۔ منت یا نذر قضا کو ذرا رد نہیں کرتی البتہ اس کے ذریعے بخیل کا مال نکل جاتا ہے۔

۲۰۷۔ تحفہ واپس نہ لیا کرو۔

۲۰۸۔ مجھے اپنی زبان اور پاکدامنی کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۲۰۹۔ نیلام میں ملی بھگت سے بولی نہ دیا کرو۔

۲۱۰۔ غم پیدا کرنے والا خواب بیان نہ کیا کرو۔

۲۱۱۔ تم میں ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کے زیر نگرانی افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

متفرق ذرائع احادیث:

۲۱۲۔ لوگ اگر ظالم کو نہیں روکیں گے تو پورا معاشرہ عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ (ترمذی)

۲۱۳۔ کسی کے گھر میں نہ جھانکو۔ داخلے کی اجازت لیا کرو۔ (شبلی)

۲۱۴۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید کی جائے۔ (ترمذی)

۲۱۵۔ دانائی کی بات مومن کی گمشدہ دولت ہے جہاں پاؤ اسے حاصل کرلو۔ (ترمذی)

۲۱۶۔ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (بیہقی)

۲۱۷۔ آخرت کو دنیا کے لئے اور دنیا کو آخرت کے لئے ترک نہ کرو۔ (مشکوٰۃ)

۲۱۸۔ جو کھانا تم کو ناپسند ہو وہ غریبوں کو نہ کھلاؤ۔ (ابوداؤد)

۲۱۹۔ لالچ سے بچو کیونکہ یہ ہمیشہ کی فقیری ہے۔ (مسند کبیر)

۲۲۰۔ خاموشی عالم کا وقار اور جاہل کا حجاب ہے۔ (غزالی)

۲۲۱۔ ہر اچھا کام صدقہ ہے۔ (بخاری)

۲۲۲۔ حسن اخلاق اور مہربانی سے گفتگو کرنا بھی صدقہ ہے۔ (حاکم)

۲۲۳۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (بخاری)

۲۲۴۔ لالچ کے ساتھ مال لیا جائے تو بے برکت رہے گا۔

(بخاری)

۲۲۵۔ ظالم قوت کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے۔ (ترمذی)

۲۲۶۔ شہ زور وہ ہے جو غصے میں بے قابو نہ ہو۔ (مسلم)

۲۲۷۔ پہلے اونٹ کو باندھو پھر اللہ پر توکل کرو۔ (ترمذی' بیہقی)

۲۲۸ میری امت کے ان گنت لوگ سیدھے جنت میں اس لئے داخل ہوں گے کہ وہ تعویذ' گنڈہ' شگون او ر داغ نہیں کرتے۔ (بخاری).

۲۲۹۔ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (مئوطا مالک)

۲۳۰۔ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ (ترمذی)

۲۳۱۔ ایمان کا چھوٹا سا درجہ یہ بھی ہے کہ تم راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دو۔ (کنزالاعمال)

۲۳۲۔ جو شخص نمائش کے لئے گھوڑا باندھتا ہے وہ اس کے لئے عذاب ہے۔ (بخاری)

۲۳۳۔ کوئی والدین اپنے بچے کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتے کہ وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کریں۔ (مسلم)

۲۳۴۔ وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ (بخاری)

۲۳۵۔ یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔ (بخاری' مسلم)

۲۳۶۔ جس میں عہد نہیں اس میں دین نہیں۔ (مسند احمد' طبرانی)

۲۳۷۔ حیا سے صرف بھلائی پہنچتی ہے۔ (بخاری)

۲۳۸۔ تنگ دست مقروض کو مہلت دو یا اس کا قرض معاف کردو۔ (مسلم)

۲۳۹۔ جو شخص لوگوں کے قصور معاف کرتا ہے اللہ اسے عزت میں بڑھا دیتا ہے۔ (ترمذی)

۲۴۰۔ جو شخص خدا کے لئے خاکساری کرتا ہے خدا اس کو بلند کر دیتا ہے۔ (ترمذی)

۲۴۱۔ تین باتوں کی ذمہ داری قبول کرو تو میں تمہارے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ بولو تو سچ بولو' وعدہ کرو تو پورا کرو' امین بنو تو خیانت نہ کرو۔ (بیہقی اور حاکم)

۲۴۲۔ برے ہیں وہ لوگ جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کے باہمی تعلقات خراب کرتے ہیں۔ (مسند احمد)

۲۴۳۔ کسی کے عیب کا ذکر کرنا غیبت ہے یا ایسی بات کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے۔ اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں تو یہ غیبت سے بڑا جرم بہتان ہے۔ (ابوداؤد)

۲۴۴۔ قیامت میں خدا کے نزدیک دو رخے شخص کو بہت برا پاؤ گے۔ جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس اور۔ (بخاری)

۲۴۵۔ باہمی تعلقات میں بدگمانی سے بچو' ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہا کرو' (مال دولت اور جاہ میں) دوسرے سے بڑھنے کی ہوس نہ کرو' ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو۔ (مسلم' بخاری)

۲۴۶۔ بڑا سخی ہے جس نے علم کو سیکھا اور اسے پھیلایا۔ (مشکوٰۃ)

۲۴۷۔ آپؐ بخل' کسل مندی یعنی سستی' بڑھاپے' بے چارگی اور بزدلی سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے۔ (بخاری' مسلم)

۲۴۸۔ ایمان اور لالچ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (نسائی)

۲۴۹۔ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کے اور خدا (کے قانون مکافات) کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (بخاری)

۲۵۰۔ کسی شخص کا دل شگون' بدگمانی اور حسد سے خالی نہیں ہو سکتا۔ شگون کی وجہ سے اس کام کو مت چھوڑو۔ بدگمانی کو سچ نہ جانو اور جب حسد پیدا ہو تو ظلم پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ (فتح الباری)

۲۵۱۔ گفتگو میں اختصار بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

۲۵۲۔ حسن ظن ایک طرح کی عبادت ہے۔ (ابوداؤد)

۲۵۳۔ تدبیر کے برابر کوئی عقل نہیں۔ (بیہقی)

۲۵۴۔ خرچ میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔ (بیہقی)

۲۵۵۔ تکبر کیا ہے؟ حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ (مسلم)

۲۵۶۔ جو شخص کچھ دیر کو مجلس سے اٹھ کر واپس آ جائے وہ اسی جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ (مسلم)

۲۵۷۔ تعصب یا عصبیت کسے کہتے ہیں؟ یہ کہ تم اپنے لوگوں کی حمایت کرو جب وہ ظلم کر رہے ہوں۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

۲۵۸۔ اپنی زبان کے مالک بنو۔ (ترمذی)

۲۵۹۔ رزق حلال کی کوشش تم پر فرض ہے۔ (مشکوٰۃ)

۲۶۰۔ جس شخص نے لوگوں کے مجمع میں اپنے محسن کی تعریف کی اس نے شکر گزاری کا حق ادا کر دیا۔ (معارف القرآن)

۲۶۱۔ کامیابی کے لیے بہت خوب کوشش کرو۔ پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کر دو۔ (معارف القرآن)

۲۶۲۔ جو شخص جادو پر اعتقاد اور بھروسہ رکھے وہ ان میں سے ہو گا جو کبھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ (ترسیل اسلام بحوالہ بخاری و مسلم)

۲۶۳۔ جس نے تعویذ پہنا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

۲۶۴۔ جو شخص (تعویذ گلے میں) لٹکاتا ہے خدا اسے اس کی حفاظت میں چھوڑ دیتا ہے۔

۲۶۵۔ جو شخص عاملوں، نجومیوں، کاہنوں کے پاس جائے وہ ہم میں سے نہیں (مسند احمد)

۲۶۶۔ حضرت عائشہ سے پوچھا گیا: رسولؐ کا اخلاق کیا تھا؟ فرمایا "آپؐ کا اخلاق قرآن کریم تھا"۔ (صحاح ستہ)

۲۶۷۔ اچھے لوگ وہ ہیں جو عورتوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں اور برے لوگ ان کی توہین کرتے ہیں۔ (نسائی)

۲۶۸۔ جس شخص نے بیٹے کو بیٹی پر ترجیح نہ دی خدا اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (مسند احمد)

۲۶۹۔ (مردوں اور عورتوں کی مساوات یوں سمجھو) عورتیں مردوں کا دوسرا نصف ہیں۔ (ترسیل اسلام) "انما النساء شقائق الرجال"

۲۷۰۔ اپنے خادموں سے ایسا برتاؤ کرو جو اپنے بھائیوں سے کرتے ہو۔ (بخاری، مسلم)

۲۷۱۔ کوئی شخص کمتر یا غلام لگے تو یاد رکھو کہ وہ بھی تمہارا بھائی ہے اور کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اس کی جگہ ہوتے۔ (ترسیل اسلام)

۲۷۲۔ بے سہارا فرد کے لئے سعی کرنے والا ایسا ہے جیسے دن رات عبادت و جہاد میں مشغول رہنے والا۔ (ترمذی، نسائی)

۲۷۳۔ جو مومنوں کے معاملات سے دلچسپی نہ رکھے وہ ان میں سے نہیں۔ (ترسیل اسلام)

۲۷۴۔ (زبان سے قوم نہیں بنتی۔ نظریئے سے بنتی ہے) عرب کون ہے؟ یاد رکھو عربی صرف ایک زبان ہے لہٰذا عرب وہ ہے جو عربی بول سکتا ہے۔ (نسائی)

۲۷۵۔ دارالاسلام میں جس شخص نے کسی غیر مسلم (ذمی) کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ (سیرۃ شبلی)

۲۷۶۔ خدا نہ تمہارے نسب کو دیکھتا ہے، نہ جسم کو، نہ مال کو وہ تمہارے قلب کو دیکھتا ہے۔ (سیرۃ شبلی)

۲۷۷۔ تم زمین والوں پر مہربانی کرو۔ رب العرش تم پر مہربانی کرے گا۔ (ابوداؤد، حاکم)

۲۷۸۔ جسم گدوانا (یعنی Tatto) حضور اکرمؐ نے سختی سے منع فرمایا۔ (مسلم)

۲۷۹۔ اگر تم سے کوئی نیکی کا سلوک کرے تو تم بھی اس سے نیک برتاؤ کرو۔ (ترمذی)

۲۸۰۔ صحیح معنوں میں مفلس کون ہوتا ہے؟ وہ شخص جس کے پاس اعمال و عبادت کا ایک ذخیرہ ہو لیکن اس نے لوگوں کے حقوق تلف کئے ہوں۔ (مسلم، ترمذی)

۲۸۱۔ صحف ابراہیمؑ میں لکھا تھا اے حاکم! میں نے تجھے اقتدار اس لئے دیا تھا کہ تو مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے۔ (معارف القرآن)

۲۸۲۔ عقل مند کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات سے باخبر رہے۔ (معارف القرآن)

۲۸۳۔ "لا طلاق فی الاغلاق" یعنی ہنگامی حالات میں طلاق نہیں ہوتی۔ صرف قرآنی طریق سے ہوتی ہے۔ (شبلی، ابن ماجہ، دارمی)

x-------x

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

(1) محافل نعت --- یا سنجیدہ علمی مجالس کے خلاف سازش؟

کچھ عرصہ سے اہل سنت کے ایک مخصوص حلقہ میں محافل نعت کے انعقاد پر بڑا زور ہے اور زر کثیر صرف کر کے بڑے بڑے شہروں کی بڑی بڑی شاہراہوں پر محافل نعت سجانے کا رواج جڑ پکڑ رہا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ کی نعت سننے اور نعت کہنے سے کسے اختلاف وانکار ہو سکتا ہے، مگر جب کوئی عمل حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگے تو قوم کے دماغوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کریں، سوچیں اور فیصلہ کریں کہ اعتدال کی حد عبور کرنے کے اس عمل کے پیچھے کوئی خفیہ سازش تو کام نہیں کر رہی؟

اہل سنت کا جو طبقہ محافل نعت کے اس نہج پر انعقاد کا پرجوش حامی ہے، غور کیا جائے، ٹھنڈے دل سے سوچا جائے اور جذباتیت کا شکار ہونے سے خود کو بچاتے ہوئے تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ جہلاء پر مشتمل ہے۔ علماء نے کبھی بھی اس طرح محافل نعت و مولود کو نہیں سراہا کہ پوری قوم محافل وعظ کو بھلا کر پوری طرح نعت خوانی میں جت جائے۔ ایسی مثال نہ متقدمین کے دور میں پیش کی جا سکتی ہے نہ متاخرین کے دور سے۔ حالانکہ ہر دو ادوار میں ممتاز نعت گو علماء و شعراء موجود رہے ہیں۔......................

اہل سنت کا یہ طبقہ جو محافل نعت کی سرپرستی کرتا نظر آتا ہے، بظاہر بڑا خوش نما کام کر رہا ہے، مگر سوچئے! اس کی اس جدوجہد سے عام سنی شخص کی معلومات میں دین کے حوالہ سے کسی قسم کی معلومات کا اضافہ ہو رہا ہے؟

اس وقت پاکستان میں آباد مسلمانوں میں دین کی فہم کے اعتبار سے اگر کوئی کمزور ترین طبقہ ہے، تو وہ یہی ہے، جسے محافل نعت میں لگا کر فہم دین سے مزید دور کیا جا رہا ہے۔ ہر فرقے اور ہر طبقے کے قائدین اپنے افراد کی دین فہمی کے سلسلہ میں منظم منصوبہ سازی کر کے ایسی محافل، دروس، سیمینارز، تربیتی کیمپس اور تربیتی ورکشاپس کا اہتمام کرتے ہیں، جن میں ان کی ذہنی تربیت کی جاتی ہے، انہیں دین کا عمیق مطالعہ کرایا جاتا ہے اور مختلف کورسز کے ذریعہ نوجوانوں کو لادینی عناصر سے گفتگو کر کے انہیں قائل کرنے کے قابل اور فریق مخالف پر برتری کے لائق بنایا جاتا ہے، مگر ہم صرف نعتیں اور قوالیاں سنا

کر عشق رسول اور محبت مصطفیٰ اجاگر کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور وہ بھی اجاگر نہیں ہو پاتی۔ اس لئے کہ حب مصطفیٰ اور عشق رسول کا تقاضا یہ ہے کہ قول وفعل کا تضاد دور ہو' عادات و اطوار بدلیں' اخلاقی جرات پیدا ہو' بدعنوانی ختم ہو' برائی قریب نہ پھٹکنے پائے' تقویٰ کا غلبہ اور زہد کا ملکہ ہو' معاشرہ اعلیٰ انسانی قدروں کا گہوارہ بن جائے' مگر کیا سواد اعظم کی دعوے دار' ان پڑھ سنی اکثریت نے یہ تمام اعلیٰ قدریں اپنی اندر پیدا کر لی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس ملک کو اس اکثریت کے اس اخلاقی انقلاب کا عملی نمونہ ہونا چاہئے' جب کہ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ہر شخص کرب میں مبتلا اور ہر فرد معاشرہ کا ستم رسیدہ انسان نظر آتا ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ سنی قیادت مل بیٹھ کر اپنی قوم کی علمی بے بضاعتی اور فکری کم مائیگی کو دور کرنے کی تدبیر کرے اور محافل نعت کے عظیم اجتماعات کو جس قدر جلد ممکن ہو' ''محافل فکر و تذکرہ'' میں بدلنے کی سعی کرے' ورنہ اگر کچھ عرصہ مزید عوام کو اس جاہل ٹولے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا' جسے محفل نعت کا اسٹیج خوب راس آتا ہے' تو پھر ان کو علم وفہم دین کی مجالس کی طرف پلٹانا اور اپنے اسلاف واکابر کے نہج پر چلانا کسی کے بس میں نہ رہے گا۔

(بشکریہ مجلّہ فقہ اسلامی' کراچی)

(2) تقیہ؟؟

مولانا مودودی کا گھر میں رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھنا

تشکیل پاکستان کے بعد جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع لاہور گوالمنڈی واقعہ دفتر تسنیم میں ہوا تھا۔ مختلف اضلاع سے آنے والے وفود کے لئے مولانا مودودی سے ملاقات کے لئے الگ الگ اوقات کا تعین تھا۔ تا کہ ہر ضلع سے آنے والے احباب کے ساتھ تبادلہ خیالات ہو سکے۔ گوجرانوالہ سے بھی ایک وفد مولانا سے ملاقات کے لئے گیا اس وفد میں مولانا محمد عبداللہ صاحب بھی شامل تھے۔ گوجرانوالہ کے وفد کو عشاء کے بعد ملاقات کا وقت دیا گیا۔ جب وفد کی ملاقات کا وقت آیا۔ تو گوجرانوالہ وفد کے احباب مولانا کی معیت میں سید ابوالاعلیٰ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ پھر مولانا نے فرمایا اگر کوئی شخص استفسار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس پر مولانا عبداللہ صاحب نے مولانا مودودی سے سوال کیا کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور آپ کا نصب العین ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے اور اسلام قرآن و حدیث کا نام ہے اور احادیث صحیحین میں آتی ہیں اور آپ اس پر عمل کرتے نہیں تو آئندہ ہم آپ سے کس اسلام کی امید رکھیں۔ مولانا مودودی صاحب نے جواب دیا بات اصل مئیں یہ ہے کہ رفع الیدین کرنے سے لوگ متوحش ہوتے ہیں اور بدک جاتے ہیں۔ اس لئے میں عام جگہوں پر جب نماز پڑھتا ہوں تو رفع الیدین نہیں کرتا۔ لیکن جب میں گھر میں تہجد کی نماز پڑھتا ہوں تو رفع الیدین کر لیتا ہوں۔ اس پر مولانا نے پھر کوئی اعتراض نہ کیا اور بات ختم ہوگئی۔

(تذکرہ علماء اہلحدیث از میاں یوسف سجاد)

- Khalid Tairera, aged 29, was abused and beaten by Jewish Settlers after the IDF and a group of Jewish Settlers stopped his car near the settlement.

"Human Rights Watch" further reports that the Jewish Settlers are so brutal and animalistic that they have also attacked humanitarian workers, independent observers, and journalists:

+ On Jan. 10, 2001, a car of the Temporary International Presence in Hebron (TIPH) was attacked by Jewish Settlers.

+ On Oct. 6, 2000, Jewish Settlers damaged a vehicle belonging to the International Committee of the Red Cross (IÇRC).

+ The brunt of Jewish Settler attacks against International observers have been directed against a faith-based pacifist group, the Christian Peacemaking Team (CPT), who write publicly about the abuses they witness in Hebron

+ Jewish Settlers also attack accredited Palestinian journalists on a regular basis. AFP photographer Hussam Abu Aleim was beaten nearly unconscious on Dec. 10, 2000, by settlers at the Palestinian vegetable market in the H2 area of Hebron.

****

APOLOGY

Due to some untoward reason and factors beyond our control, we could not continue the second chapter of "Status of Hadith" (Maqam-e-Hadith), which we had promised to serialise. We apologise to our readers and hope to continue the series from July onwards. We are sorry for this lapse in the months of May and June. EDITOR.

Israeli JEWISH SETTLERS in Hebron have initiated many attacks against Palestinian civilians in and around Hebron, relying on the IDF to protect them from counterattack. The IDF has seldom made any serious effort to stop or prevent attacks by Jewish settlers against Palestinian Jewish Settlers who have regularly attacked the Palestinian vegetable market in the old city, ransacking goods and overturning stands. The IDF has consistently respond to such attacks by reimposing the curfew on the Palestinian population. Jewish Settlers have physically attacked many Palestinian homes in the old city, often directly under the eyes of IDF soldiers present nearby, who did nothing to stop them. Anti-Islamic graffiti, referring to the Prophet Muhammad (Peace and Blessings of God be upon him) as a pig and a homosexual, has also been attributed to the Jewish Settlers, as has a Dec. 2000 act of vandalism that left most of the Palestinians in the old city without phone lines for more than a month.

[This sad "graffiti incident" has been reported in the above mentioned "Human Rights Watch" Reports, and clearly depicts the poisonous mentality of the Jews in general, and their dealings with non-Jews in particular. These Jews are absolutely devoid of any respect for the faith and religion of others. But it should not surprise anyone, since they learn such abusive and "dirty" tricks from their own SCRIPTURES, which are filled with shameless stories of incest and pornography (Gen. 19:30-38, Gen. 38, 2 Samuel 11 etc.), and these Jews seem to be immensely affected by these "Divine" stories.]

The following events are reported by "Human Rights Watch", regarding the attacks of rogue Jewish Settlers on unarmed Palestinian citizens:

- On Nov. 21, 2000, a large group of Jewish Settlers blocked the main road through the Baqa'a valley and stoned Palestinian drivers before attacking Palestinian homes and destroying agricultural property in the area.
- The Jewish Settlers attacked again on Dec. 8, 2000, occupying and damaging the home of Atta Jaber, stoning several other Palestinian homes in the area, and seriously wounding 13 year-old Mansur Jaber with a gunshot.
- Two Palestinian brothers from the village of Bani Na'im were shot and injured in separate incidents in Oct. & Nov. 2000 as they were passing by a Jewish Settlement on their way home from their fields.

(iv) IDF soldiers shot dead 22 year-old Shaadi al-Waawi on Oct. 13, 2000, while he was watching a clash from his roof, located at least 200 meters away from the violence.

(v) On Feb. 17, 2001, IDF soldiers shot at two civilian cars driving near the Al-Shuhada' street checkpoint, without any apparent provocation.

(vi) A 17 year-old student was hit in the head with a rubber bullet on Oct. 24, 2000, by the IDF soldiers, as she was walking home from school.

(vii) A taxi driver was shot in the right shoulder on October 23, 2000 by the IDF soldiers.

From these and many other such brutal incidents, "Human Rights Watch" presents its conclusion, in the following words:

"In addition, many of the persons killed or wounded by the IDF near the clash sites were unarmed bystanders, suggesting that the IDF often fires INDISCRIMINATELY into densely populated areas near the clash sites." [Emphasis added]

The IDF has also carried out assassinations in Hebron, part of an acknowledged Israeli policy to "liquidate" Palestinians suspected by Israel of involvement in attacks against Israeli military personnel. Israel has refused to provide public justifications for individual assassinations, and has not acknowledged responsibility for other killings, leading to concerns that Palestinian civilians may be among those targeted by the "liquidation" policy.

In Hebron, Israeli authorities are implicated in two apparent "liquidations":

- The Dec. 13, 2000, assassination of Abbas al-Awiwi, and
- The Oct. 21, 2000, shooting of Fayez al-Qaimari.

It must be remembered that Hebron is a PALESTINIAN city, located in the West Bank and is a home to about 120,000 Palestinians. This city also contains some 500 Jewish Settlers in the city centre and some 7,000 others on the edge of the city. No one is being killed in Tel Aviv. No one is being killed in Ashkelon. But innocent Palestinian civilians are being massacred in the Palestinian city of Hebron.

The location and target of these killings by the IDF murderers clearly demonstrate WHO is the aggressor and WHO is the attacker.

Israel Has Transgressed All Bounds

By

Asif Iqbal Khawaja

"Human Rights Watch" is a New York based organization, which works in the field of human rights in the US and around the world. It's a highly respected and professional organization, whose reports are carefully studied throughout the world and whose opinions & recommendations are highly valued by the serious circles around the world. "Human Rights Watch" published an eye-opening 82 pages report (Volume 12, Number 3-E, Oct, 2000) last week on the killing and wounding of Palestinian civilians in Hebron by Israel Defence Forces (I.D.F.) soldiers and Jewish Settlers of the area.

The "Human Rights Watch" presents its findings of excessive use of force by Israel on unarmed Palestinians in the following words:

"Since the outbreak of clashes in late September, Human Rights Watch has found CLEAR INSTANCES of Israeli use of excessive lethal force during clashes between its security forces and Palestinian demonstrators in situations where demonstrators were UNARMED and posed NO threat of death or serious injury to the Israeli security forces or others.

[Emphasis added]

In these clashes, IDF soldiers butchered the following unarmed Palestinian youth, when there was NO Palestinian gunfire or other serious threat to the IDF, as reported by "Human Rights Watch"

(i) Arafat al-Jabarin, aged 15, shot to death during such a clash near Beit Einun on Dec. 22, 2000.

(ii) Samir al-Khadr, aged 18, killed by IDF fire during a stone-throwing clash at al-Fawwar refugee camp on Nov. 16, 2000.

(iii) The IDF fired on several unarmed Palestinians who tried to help the mortally wounded Ahmad al-Qawasmi on Dec. 8, 2000.

What would be the essential features of an Islamic model city? What could life be like in a city that runs on Islamic principles? Apart from its outward manifestations, such as the abundance of mosques, what would be the major features that would distinguish it from any other city? What would its financial institutions be like? What would be taught in its schools? How would the courts function in this city? What would be the role of women in this city? Let us imagine that this idea is taken seriously and with sincerity. Would there be peace and harmony among all sects in our model Islamic city? Would they be willing to live and let live? Would they be able to devote their energies toward the establishment of the Qur'an and the Sunnah?

These are serious questions and challenges for the religious parties. Time has come for them to do something more than the empty rhetoric and demands for the enforcement of Islam. Everyone knows that there is much more to the enforcement of Islam than mere demands. If Islam is really the ideal and the desired goal of Pakistanis, there is a need to devise a strategic plan that would work. Such a plan will not come from the mainstream political parties; they neither have the desire nor the means to evolve it. It has to come from the religious leadership. But is Pakistan's religious leadership equipped to draw up such a plan? Are there enough religious scholars who understand the dynamics of contemporary statecraft and who have the necessary intellectual and academic resources to translate the vision of Islam to a twenty-first century city?

A simple glance at the structure and working of the existing religious parties is enough to provide a negative answer. None of the existing religious parties is based upon a manifesto that outlines positive approach to the stated goal of Islamisation They have never developed solid plans in any area of national life. They do not have teams of experts who can come up with working models of educational, economic, judicial and other institutions. The most likely party that can make the leap required to meet the needs is Jamaat-e-Islami. But since the death of its founder, it has not found a leader who has the vision to formulate a practical strategy Its politics remains that of negative reactions, demands and threats.

It is considered to be one of the most organised parties in the country, yet it has not used its considerable organisational structure for the development of model institutions that can prove to the masses that if they vote for the Jamaat, it would deliver. The path of a constructive role for the religious parties in national affairs remains a deserted road; the journey has not even begun.

The writer is the President of Centre for Islam and Science.

Courtesy "The News" International, London.

Tuesday, April 17, 2001.

****

you establish an Islamic city as a model. That would help us to understand the practical difficulties which would arise." According to Dr Kazi, the General laughed at this idea and changed the conversation. That was an indication for his inner circle that Dr Kazi had taken the matter too seriously and that the General was only interested in mocking the religious elite of the country. But lately, I have been thinking about the suggestion of late Dr M A Kazi. If one really thinks about the merits of this suggestion, the idea is extremely valuable. If Pakistan is really interested in becoming an Islamic country, it should first experiment with the establishment of a truly Islamic city. The road to Islamisation of the whole system is neither easy nor clear.

Our economic, educational and state systems are based on secular models and without a major revolution; there is no possibility of changing their foundational principles. Such a revolution is not in sight. Like the mainstream political parties, Pakistan's religious parties have no plan, no concrete methodology and no substantial in-house study of the ways to implement Islam. Like all the other political parties, all they want is power and assure us that once in power, they will be able to enforce Islam.

But time has run out for such empty promises. No one believes it any more. Pakistan's religious parties are deeply entrenched in a sectarian divide. They all have their narrow definitions of Islam. They do not pray together; they do not agree upon a unified plan and they are ill equipped to deal with contemporary complex realities. Yet all of them never tire of demanding the enforcement of Islam.

They never tire of castigating others and passing verdicts against all who disagree with them. Given the unifying aspects of Islam, the universality of the Qur'an and Sunnah, it is most surprising that the religious parties cannot form a unified stand on the process of Islamisation. Instead of the grand vision of Islam, they are stuck with minor details and their dogmatic positions have marginalized their own role in national affairs. If there is going to be a major change in the country, it has to come through solid planning and sustained efforts.

If the religious parties wish to have any say in national affairs, they have to first start an in-house process of building models and strategies. This requires that teams of Islamic scholars work together on specific issues and evolve effective methodologies that would lead to the emergence of new institutions based on Islamic teachings. A model Islamic city can be a good start. Such a city can come into existence by implementing the model in one of the cities now existing or by founding a new city. Just like Islamabad was established as a brand new city with a master plan, one can think of a new Islamic city with a master plan. Such a city would have to be located within the boundaries of Pakistan but it can be given a special status by completing the required legal formalities.

Role of Religious Parties

By

Dr. Muzaffar Iqbal

Since 1948 Tolu-e-Islam has been in the forefront for the demand of the implementation of Quranic socio-political and economic system in Pakistan. In fact this was the raison d'etre of the Pakistan Movement and as such its struggle began as early as 1938 at the behest of Allama Iqbal. Since then it has been explicitly stressing that such an aspiration will not become a reality as long as there was a religious, political schism and a polarisation in the Ummah. Such a schism and polarisation is the logical result of dualism that results from secularism, which the so-called Ulema would prefer anytime wherein they can survive, whereas the Quranic state is their death-knell.

Tolu-e-Islam has been warning the nation for years that religious leaders were the real stumbling block. This group will never tolerate a Quranic system for the country. The two are antithesis of each other.

The under mentioned article is an honest impartial testimony to Tolu-e-Islam claim.

(Editor)

The late Dr. M A Kazi liked to narrate episodes of his life from the time when he was Advisor to General Ziaul Haq on science and technology. On one occasion, he told a story that runs like this: General Ziaul Haq had a series of meetings with the religious leaders. To each one of them, he expressed his desire to enforce Islam and asked the way to do so. As usual, he posed himself as a very humble man who had good intentions but who lacked the wisdom to accomplish the task.

The venerable religious leaders were his guides and he wanted to get their guidance in this noble task. At the end of the series of meetings, he gathered them all and tried to evolve a working plan. The religious leaders of Pakistan could not agree on a common plan. They could not even pray together in the presidency behind one Imam. Each sect had their own Imam and their own plan. At the end of the exercise, the General gathered his inner circle in one of those post-midnight gatherings that used to keep him protected from bouts of insomnia. And he told them all that had happened. He laughed in a mixture of happiness and despair. The religious leadership had no plan. They had no idea of how to implement Islam although they had been clamouring for it for the last forty years. Dr. Kazi was part of that inner circle and the General had developed a liking for him. On this occasion, Dr. Kazi said to the General, "Sir I have a plan."

"What is your plan?" asked the General. "Sir, I am a scientist. I like to do control experiments. I suggest that before implementing Islam in the whole country

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No.
CPL-22
VOL:54
ISSUE
06

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®

We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468,
Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com